سورۃ الحشر

آیاتہا ۲۴ ۵۹ سُوْرَۃُ الْحَشْرِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۱ رکوعاتہا ۳

تمام علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی چوبیس آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے سورۂ حشر پڑھی تو جنت، جہنم، عرش، کرسی، آسمان، زمین، کیڑے مکوڑوں، بادلوں، پرندوں، چوپاؤں، درختوں، پہاڑوں، سورج، چاند، فرشتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی مگر اس کے لئے دعا مانگتی ہے اور بخشش طلب کرتی ہے اگر وہ اس روز یا اس رات مرجائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے"۔ اسے ثعلبی نے نقل کیا ہے۔

ثعالبی نے حضرت یزید رقاشی سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے سورۂ حشر کی آخرت آیات کو پڑھا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا تو جو اسی رات فوت ہو گیا تو وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا" (1)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے صبح کے وقت تین دفعہ أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم اور سورۂ حشر کی آخری تین آیات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے معین کر دیتا ہے جو اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے، اگر وہ اسی دن فوت ہو جاتا ہے تو شہید کی حیثیت سے فوت ہوتا ہے اور جو شام کے وقت یہ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے"۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

"اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے"۔

اس کی وضاحت سورۂ حدید کی پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي

1۔ تفسیر در منثور 2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی من قرء حرفا من القرآن، حدیث نمبر 2846، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

"وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اس کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلا وطنی کے وقت تک تم نے کبھی خیال بھی نہ کیا تھا کہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعے بچا لیں گے اللہ (کے قہر) سے پس آیا ان پر اللہ کا قہر اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اے دیدہ بینا رکھنے والو!"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: یہ سورۂ حشر ہے؟ فرمایا: کہو سورۂ نضیر؛ یہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا جب بنو اسرائیل مصائب کا شکار ہوئے تو یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں مدینہ طیبہ آ کر رہائش پذیر ہوئے۔ انہوں نے یہ اس لئے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام پر اس امر کو بیان کیا تھا (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ حشر کا معنی جمع ہونا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں: دو حشر دنیا میں اور دو حشر آخرت میں ہوں گے۔ جو دنیا میں ہوگا اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ زہری نے کہا: وہ ایسے خاندان سے تھے انہیں جلا وطنی کی معیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر جلا وطنی کو فرض کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں دنیا میں عذاب دیتا (2)۔ اوّل حشر سے مراد ہے کہ وہ دنیا میں شام کی طرف جمع کیے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ نے کہا: جسے اس میں شک ہو کہ کیا محشر شام میں ہے تو وہ اس آیت کو پڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: "تم یہاں سے نکل جاؤ"۔ انہوں نے عرض کی: کہاں جائیں؟ فرمایا: "ارض محشر کی طرف"۔ حضرت قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ وہ پہلے اہل کتاب ہیں جنہیں نکالا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک سے جلا وطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیبر کی طرف جلا وطن کیا گیا۔ اور لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا معنی ہے انہیں ان کے قلعوں سے خیبر کی طرف نکالا گیا۔ اور دوسرا حشر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خیبر سے نجد اور اذرعات کی طرف جلا وطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیماء اور اریحاء کی طرف جلا وطن کیا گیا۔ ان کو یہ سزا ان کے کفر اور وعدہ توڑنے کی وجہ سے دی گئی۔ جہاں تک دوسرے حشر کا تعلق ہے: یہ قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی وہاں ہی رات گزارے گی، جہاں وہ قیلولہ کریں گے وہاں آگ بھی قیلولہ کرے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ انہیں کھا جائے گی۔ یہ حدیث

1۔ احکام القرآن لابن العربی

2۔ تفسیر بغوی

صحیح، ثابت ہے ہم نے اسے ''کتاب التذکرہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کی مثل ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے امام مالک سے عرض کی: اس حشر سے مراد ان کو ان کے گھروں سے جلاوطن کرنا ہے؟ آپ نے مجھے فرمایا: قیامت کے روز حشر، یہود کا حشر ہوگا فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو خیبر کی طرف جلاوطن کیا جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اسے چھپایا، اس وجہ سے ان کی جلاوطنی حلال ہوگئی۔ ابن عربی نے کہا: حشر تین ہیں پہلا، درمیانی اور آخری۔ پہلا بنونضیر کی جلاوطنی ہے۔ درمیانی بنونضیر کی خیبر کی طرف جلاوطنی ہے؛ آخری قیامت کے روز ان کو ہانکنا ہوگا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: مراد بنوقریظہ ہیں۔ باقی مفسرین نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا بنوقریظہ کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا؛ ثعلبی نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ الکیا طبری نے کہا: اہل حرب سے آج اس شرط پر صلح کرنا کہ بغیر کسی شرط کے انہیں ان کے گھروں سے جلاوطن کر دیا جائے یہ جائز نہیں یہ ابتداء اسلام میں تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا آج یا تو انہیں قتل کر دیا جائے گا، انہیں قیدی بنا لیا جائے گا یا ان پر جزیہ نافذ کر دیا جائے گا۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا مراد یہ ہے کہ یہودیوں کا معاملہ مسلمانوں کے دلوں میں بڑا عظیم تھا، وہ بڑے محفوظ تھے، قوی تھے اور بڑے متحد تھے اس لیے مسلمان یہ گمان نہیں کرتے تھے۔ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ ایک قول یہ کیا گیا: قلعوں سے مراد وطیح، نطاۃ، سلالم اور کتیبہ ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے حکم سے۔ وہ بڑے اسلحہ اور محفوظ قلعوں والے تھے ان میں سے کوئی چیز بھی محفوظ نہ رکھ سکی۔ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا عذاب انہیں آ پہنچا۔

مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا جہاں انہیں گمان تک نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہاں سے انہیں علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کعب بن اشرف کا قتل ہے؛ یہ قول ابن جریج، سدی اور ابو صالح نے کیا ہے۔

وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ان کے سردار کعب بن اشرف کے قتل کے ساتھ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ جس صحابی نے اسے قتل کیا تھا وہ حضرت محمد بن مسلمہ حضرت ابو نائلہ سلکان بن سلامہ بن وقش (جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے) حضرت عباد بن بشر بن وقش، حضرت حارث بن اوس بن معاذ اور حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم تھے اس کا واقعہ سیرت کی کتاب میں مشہور ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے'' (1)۔ تو بنی نضیر کا محلہ جو ایک میل کی مسافت پر تھا وہاں آپ کی مدد کیوں نہ کی جاتی۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں۔

یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ عام قراءت تخفیف کے ساتھ ہے۔ یہ اخراب سے مشتق ہے یعنی وہ گرا دیتے ہیں۔ سلمی، حضرت حسن بصری، نصر بن عاصم، ابوالعالیہ، قتادہ اور ابو عمرو نے یخربون قراءت کی ہے۔ یہ تخریب سے مشتق ہے۔ حضرت ابو عمرو نے کہا: میں نے تشدید کو اس لیے پسند کیا ہے کیونکہ اخراب کا معنی ہوتا ہے کسی شے کو رہائش کے بغیر بے آباد چھوڑنا، جبکہ بنونضیر نے اسے اس

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

طرح نہیں چھوڑا تھا انہوں نے اسے گرا کر برباد کیا تھا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے: بِاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَيۡدِي الۡمُؤۡمِنِيۡنَ دوسرے علماء نے کہا: تخریب اور اخراب کا معنی ایک ہی ہے اور تشدید، تکثیر کے معنی میں ہے۔ سیبویہ نے کہا: فعلت اور افعلت کا معنی ایک جیسا ہے جس طرح اخربته اور خربته ، افرحته اور فرحته، ابوعبید اور ابو حاتم نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: مومن باہر سے انہیں اکھیڑ رہے تھے تاکہ اندر داخل ہوں اور یہودی اندر سے اکھیڑ رہے تھے تاکہ ان کے قلعے جو خراب کیے جا رہے ہیں انہیں درست کریں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کی تھی کہ وہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد کریں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔

جب غزوۂ بدر کے روز آپ کو فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے کہا: یہی وہ نبی ہیں جن کی تورات میں صفت بیان کی گئی ہے؛ تو اس کے جھنڈے کو لوٹایا نہیں جا سکے گا (یعنی انہیں شکست نہ ہوگی)۔ جب غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہیں شک پڑ گیا اور انہوں نے اپنے معاہدہ کو توڑ دیا۔ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو لے کر مکہ مکرمہ گیا، کعبہ معظمہ کے پاس ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو حکم دیا تو اس نے کعب کو ایک چال کے ذریعے قتل کر دیا پھر صبح کے وقت ان پر لشکروں سے حملہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ''مدینہ طیبہ سے نکل جاؤ''۔ انہوں نے کہا: اس سے موت ہمیں زیادہ پسندیدہ ہے۔ انہوں نے جنگ کے لئے اپنے حمایتیوں کو دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے دس روز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہلت طلب کی تاکہ وہ یہاں سے نکل جانے کی تیاری کریں۔ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے انہیں خفیہ پیغام بھجوایا کہ وہ قلعوں سے نہ نکلیں۔ اگر مسلمان تم سے جنگ کریں تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے اور تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، تو اکیس دنوں تک ان کی گلیوں اور قلعوں میں محبوس رکھا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہودی منافقوں کی مدد سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے صلح کا مطالبہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطنی کے سوا کسی بات پر اتفاق نہ کیا (1)۔ جس کی وضاحت بعد میں آ رہی ہے۔

زہری، ابن زید اور حضرت عروہ بن زبیر نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان کے لیے وہ کچھ ہوگا جو اونٹ اٹھا کر لے جا سکے، تو وہ جو لکڑیاں اور ستون اچھے خیال کرتے تو اپنے گھروں کو گراتے اور انہیں اپنے اونٹوں پر باندھ لیتے باقی ماندہ کو مومن برباد کر دیتے۔

ابن زید سے یہ بھی مروی ہے، وہ اپنے گھروں کو اس لیے گرا رہے تھے تاکہ بعد میں مومن ان میں نہ رہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسلمان جب بھی ان کے گھروں میں سے کسی گھر پر غالب آتے تو اسے گرا دیتے تاکہ جنگ کا میدان وسیع ہو جائے جبکہ یہودی اپنے گھروں کی پچھلی جانب سے سوراخ کرتے تاکہ پچھلے گھر میں قلعہ بند ہو جائیں اور جس گھر سے نکالے گئے ہیں اس سے مومنوں پر تیر چلائیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ ان پر گلیوں کو بند کر دیں۔ عکرمہ نے کہا:

1۔ الکشاف 2۔ تفسیر بغوی

بِاَيْدِيْهِمْ کا مصداق یہ ہے کہ وہ ان گھروں کے داخلی حصہ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو برباد کرتے تا کہ مسلمان انہیں اپنے کام میں نہ لا سکیں۔ اور اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد ہے مومن ان کو باہر سے برباد کر رہے تھے تا کہ اس کے ذریعے وہ یہودیوں تک پہنچ سکیں۔ عکرمہ نے کہا: ان کے مکانات بڑے اعلیٰ تھے تو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں حسد کیا کہ وہ ان گھروں میں رہائش اختیار کریں انہوں نے اندر کی جانب سے انہیں برباد کیا اور مومنوں نے باہر کی جانب سے انہیں برباد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ وعدہ کو توڑ کر اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں اور وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد جنگ کر کے برباد کرتے ہیں؛ یہ زہری کا قول ہے۔ اور عمرو بن علاء نے کہا: بِاَيْدِيْهِمْ سے مراد ہے خود انہیں چھوڑنے کے ساتھ اور وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد ہے مومنوں نے انہیں جلاوطن کیا۔ ابن عربی نے کہا: جب فساد کے لیے کوئی چیز پکڑی جائے تو اگر ہاتھوں کے ساتھ ہو تو یہ حقیقی معنی میں ہوگا اور جب وعدہ توڑنے کی صورت میں ہو تو یہ مجازی معنی میں ہوگا، مگر مجاز میں زہری کا قول ابو عمرو بن علاء کے قول سے زیادہ اچھا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۝ اے دانشمندو! نصیحت حاصل کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے وہ شخص جو اپنی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہے! یہ بصر کی جمع ہے یہاں عبرت حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر قلعوں پر اعتماد کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سے نیچے اتار دیا۔ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی ذات کو مسلط کر دیا جو ان کی مدد کرتی تھی۔ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی تھی انہوں نے اپنے اموال اپنے ہاتھوں سے برباد کیے۔ جو آدمی غیر سے عبرت حاصل نہیں کرتا تو اس کی ذات سے عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ امثال صحیحہ میں سے ہے سعادت مند وہ ہے جو غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝

"اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں، اور ان کے لئے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی، اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بہت سخت ہے"۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں جلاوطنی کا فیصلہ نہ کر دیا ہوتا اور وہ ایک عرصہ وہاں ہی رہتے تو ان میں سے بعض ایمان لاتے اور ان کے ہاں ایسے بچے جنم لیتے جو ایمان لاتے۔

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا تو اللہ تعالیٰ دنیا میں انہیں قتل اور قید کی صورت میں عذاب دیتا جس طرح اس نے بنی قریظہ کے ساتھ کیا ہے۔ جلاوطنی سے مراد اپنے وطن کو چھوڑنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے:۔ جلا بنفسه جلاء۔ أجلاه غيره اجلاء۔

جلاء اور اخراج اگرچہ دونوں کا معنی دور کرنا ہے تاہم دو وجوہ سے فرق ہے۔ (۱) جلاوطنی اہل اور اولاد کے ساتھ ہوتی

ہے۔ اور اخراج کبھی اہل اور اولاد کو وہاں ہی رکھنے کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ (۲) جلاوطنی صرف جماعت کے لئے ہوتی ہے اور اخراج کبھی ایک کے لیے اور کبھی جماعت کے لیے ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔

ذٰلِكَ یعنی وہ جلاوطنی بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وَ مَنْ یُّشَآقِّ اللّٰهَ طلحہ بن مصرف اور محمد بن سمیقع نے پڑھا۔ ومن یشاقق اللہ یعنی ہم جنس حروف کو اظہار کی سمت میں پڑھا ہے؛ جس طرح سورۂ انفال میں ہے باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

''جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تا کہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ، مَا محل نصب میں ہے اس کو قَطَعْتُمْ نصب دے رہا ہے (1) گویا فرمایا: تم نے کس چیز کو کاٹا؟ اس کی وجہ یہ بنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ بویرہ تھے یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غزوہ احد کے موقع پر قریش کی مدد کی۔ آپ نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور انہیں جلانے کا حکم دیا۔ علماء نے اس کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: صحابہ نے ان کے چھ کھجوروں کے درختوں کو کاٹا اور انہیں جلایا۔ محمد بن اسحاق نے کہا: صحابہ نے ایک درخت کو کاٹا اور اسے جلایا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع نہ کرنے کی وجہ سے تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا۔ مقصود یا تو انہیں کمزور کرنا تھا یا ان درختوں کو کاٹ کر جگہ کو کھلا کرنا تھا۔ یہ امر یہودیوں کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ انہوں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ تم نبی ہو اور اصلاح چاہتے ہو، کیا یہ کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا اور درختوں کو جلانا اصلاح احوال میں سے ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر نازل کیا ہے اس میں زمین میں فساد برپا کرنا مباح ہے؟ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوئی اور مومنوں نے بھی اپنے دلوں میں ایسی ہی بات پائی اور انہوں نے آپس میں اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب تمہیں مال عطا کیا ہے اسے نہ کاٹو۔ بعض نے کہا: ان درختوں کو کاٹ دو تا کہ ہم ان کو غضب ناک کریں۔ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی تا کہ جنہوں نے درخت کاٹنے سے منع کیا تھا ان کی تصدیق کی جائے اور جنہوں نے انہیں کاٹا تھا ان سے گناہ کو ختم کرنے کا اعلان ہو۔ اور اس امر کی خبر دی کہ انہیں کاٹنا اور ان کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ ان کے شاعر سماک یہودی نے اس بارے میں یہ اشعار کہے تھے۔

اَلَسْنَا وَرِثْنَا الْكِتَابَ الْحَكِيْمَ عَلٰى عَهْدِ مُوْسٰى وَ لَمْ نَصْدِفِ

کیا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کتاب حکیم کے وارث نہیں بنے اور ہم نہیں پھرے۔

1۔ الکشاف

وأنتم رِعاءٌ لشاءٍ عِجَافٍ بسَهْل تِهامة والأُخَيف

تم تہامہ اور اخیف کے میدانی علاقہ میں دبلی بکریاں چرانے والے ہو۔

تَرَوْنَ الرعايةَ مجدًا لكم لدى كل دهرٍ لكم مُجْحِف

تم ہلاک کرنے والے زمانہ میں بکریاں چرانے کو اپنے لیے بزرگی خیال کرتے ہو۔

فيأيها الشاهدون انتهُوا عن الظلم و المنطق المُؤنِف

اے حاضرین! اس ظلم اور ترش گفتگو سے رک جاؤ۔

لعل الليالي و صَرْفَ الدُّهور يُدِلْنَ من العادل المنصف

ممکن ہے یہ مصائب اور حادثات زمانہ حکومت ایک عادل منصف کو دے دیں۔

بقَتْل النَّضِير و إجلاءها و عقْرِ النخيل و لم تُقْطِف

جو بنو نضیر کو قتل کیا گیا، انہیں جلاوطن کیا گیا اور کھجور کے ان درختوں کو کاٹ دیا گیا جن کا پھل ابھی کاٹا بھی نہیں گیا تھا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ جواب دیا(1):

تفاقد مَعْشَرٌ نصرُوا قريشًا وليس لهم ببلدتهم نَصيرُ

ایک جماعت نے قریش سے معاہدہ کیا کہ وہ ان کے حلیف ہیں جبکہ ان کے شہر میں ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

هُمُو أوتوا الكتاب فضيعوه وهم عُمْيٌ عن التوراة بُورُ

تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں کتاب دی گئی تو انہوں نے اسے ضائع کر دیا وہ تورات سے اندھے اور ہلاک ہونے والے ہیں۔

كفرتم بقُرآن ان وقد أبيتم بتصديق. الذى قال النذير

تم نے قرآن کا انکار کیا اور نذیر نے جو کہا اس کی تصدیق کہنے سے بھی تم نے انکار کر دیا۔

وهان على سَرَاة بني لُؤيٍ حريقٌ بالبُوَيْرَة مستطير

بویرہ میں بنی لوئی کے سرداروں پر پھیلنے والی آگ آسان ہو گئی۔

حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے اسے یہ جواب دیا تھا:

أدام الله ذلك صنيعَ و حرّق في نواحيها السَّعِيرُ

اللہ تعالیٰ اس عمل کو دوام بخشے اور ان کی اطراف میں آگ خوب بھڑکائے۔

فلو كان النخيل بها رِكابًا لقالوا لامُقامَ لكم فسيرُوا

اگر کھجوروں کے درخت وہاں اونٹ ہوتے تو وہ بھی کہتے اب تمہارے ٹھہرنے کا وقت ختم ہو گیا پس چلو۔

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملہ آور ہونے کے لیے ۴ھ ربیع الاول میں نکلے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچنے

1۔ سیرت ابن ہشام میں تعاھد کا لفظ ہے۔ مترجم

کے لیے قلعہ بند ہو گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور انہیں جلانے کا حکم دیا اسی موقع پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھیوں نے بنی نضیر کی طرف خفیہ پیغام بھیجا: ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے اگر تمہیں جلاوطن کیا گیا تو ہم تمہارے ساتھ جلاوطن ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے بنو نضیر دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ جب اصل صورتحال سامنے آئی تو منافقین نے یہودیوں کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا۔ انہیں مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کو قتل نہ کریں اور انہیں جلاوطن کر دیں اس شرط پر کہ ان کے لیے وہی کچھ ہو گا جو وہ اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں مگر اسلحہ نہیں لے جا سکتے وہ اس طرح خیبر چلے گئے ان میں سے کچھ شام چلے گئے اس میں سے جو خیبر کی طرف گئے وہ ان کے اکابرین تھے جس طرح حی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع سارا خیبر ان کا مطیع ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا اور انہیں جلایا اس بارے میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

وھان علی سراۃ بنی لؤی حریق بالبویرۃ مستطیر

بنو لؤی کے سرداروں پر بویرہ میں پھیلنے والی آگ آسان ہو گئی۔

اس بارے میں مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ کے الفاظ نازل ہوئے۔

علماء نے دشمنوں کے گھروں کو بے آباد کرنے، ان کو جلانے اور ان کے پھل کاٹنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے (۱) یہ جائز ہے یہ مدونہ میں کہا ہے (۲) اگر مسلمانوں کو علم ہو جائے کہ یہ ان کے قبضہ میں آنے والے ہیں تو وہ ایسا نہ کریں۔ اگر وہ اس سے مایوس ہو جائیں تو ایسا کر گزریں؛ یہ امام مالک نے ''واضحہ'' میں کہا ہے۔ اصحاب امام شافعی اسی کی موافقت کرتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح پہلا قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ یہ درخت آپ ﷺ کے لیے ہی ہیں لیکن حضور ﷺ نے انہیں کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تاکہ یہ ان کے مغلوب ہونے اور ان کی کمزوری کا باعث بنیں یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائیں۔ بعض مال کو ضائع کرنا تاکہ باقی مال محفوظ رہے یہ ایسی مصلحت ہے جو شرعاً جائز اور عقلاً مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ماوردی نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ہر مجتہد صحیح نتیجہ تک پہنچنے والا ہوتا ہے۔ الکیا طبری نے کہا: اگرچہ حضور ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد بعید از حقیقت ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ دیکھا اور خاموشی اختیار فرمائی۔ صحابہ نے اسی خاموشی سے جواز کا حکم اخذ کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ تھے اور حضور ﷺ کی موجودگی میں کوئی اجتہاد نہیں یہ نبی کریم ﷺ کے ایسے امور میں اجتہاد پر دال ہے جن میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ یہ حکم ان آیات سے اخذ کیا جن میں کفار کو اذیت دینے کا ذکر ہے اور ان کے بارے میں جڑ سے اکھیڑنے اور ہلاکت کا فیصلہ کیا گیا ہے، اس اجازت میں یہ بھی داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ میں یہی مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللینۃ کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں دس اقوال ہیں ا۔ عجوہ کے علاوہ تمام قسم کے کھجور کے درخت، یہ قول امام زہری، امام مالک، سعید بن جبیر، عکرمہ اور خلیل رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حضرت حسن بصری نے کہا: تمام قسم کے کھجور کے درخت ہیں، انہوں نے عجوہ اور کسی دوسری قسم کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ایک قسم ہے۔ امام ثوری سے مروی ہے: یہ عمدہ کھجوروں کے درخت ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: عجوہ اور برنی کے علاوہ تمام اقسام کے درخت مراد ہیں۔ جعفر بن محمد نے کہا: اس سے مراد عجوہ ہے۔ یہ ذکر کیا عتیق اور عجوہ دونوں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے۔ عتیق سے مراد نخل ہے۔ عجوہ تمام مونث درختوں کی اصل ہے؛ اس وجہ سے یہودیوں پر یہ امر بڑا شاق گزرا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے۔ یہ کھجور کی ایک قسم ہے جس کے پھل کو لون کہتے ہیں اس کی خشک کھجور سب سے عمدہ ہوتی ہے۔ یہ سخت زرد ہوتی ہے، اس کی گٹھلی باہر سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اس میں داڑھ غائب ہو جاتی ہے، اس کا درخت انہیں غلام سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو زمین سے قریب ہو زیادہ بلند نہ ہو۔

اخفش نے یہ شعر پڑھا:

قد شجانی الحمام حین تَغَنَّی   بفراق الأحباب من فوق لِینَۃ

فاختہ نے جب لینہ درخت پر محبوبوں کے فراق میں گانا گایا تو اس نے مجھے غمگین کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لینہ سے مراد فسیلہ (قلمی کھجور) ہے کیونکہ یہ سب سے نرم کھجور ہوتی ہے؛ اسی بارے میں شاعر نے کہا:

غَرَسُوا لِینَها بمجری مَعِین   ثم حَفُّوا النخیل بالآجام

انہوں نے لینہ کو چشمہ کی گزرگاہ پر لگایا پھر گھنے جنگلوں سے باغ کو چھپا لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: لینہ سے مراد تمام درخت ہیں کیونکہ اپنی زندگی کی وجہ سے نرم ہوتے ہیں؛ ذورمہ نے کہا:

طِراقُ الخَوَافی واقِعٌ فوق لِینۃ   نَدَی لیلہ فی ریشہ یترقرق

پرندوں کے چھوٹے پر، درختوں پر پڑے ہیں رات کی شبنم کے قطرے اس کے پر سے ہلکے ہلکے بہ رہے ہیں۔

دسواں قول یہ ہے: اس سے مراد ردی کھجور ہے؛ یہ اصمعی کا قول ہے۔ کہا: اہل مدینہ کہتے ہیں: لاتنتفخ الموائد حتی توجد الألوان جب تک ردی چیز نہ ہو قدر و منزلت والی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں الوان سے ردی کھجور مراد لیتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: زہری اور امام مالک نے جو کہا دو وجوہ سے صحیح ہے (۱) وہ دونوں اپنے شہر اور درختوں کو خوب جانتے تھے (۲) اشتقاق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اہل لغت اس کی تصحیح کرتے ہیں کیونکہ لِیْنَۃ کا وزن لونہ ہے۔ علماء کے اصول کے مطابق اس میں تعلیل کی گئی تو وہ لینہ ہو گیا، یہی لون ہے جب اس کے آخر میں ھاء داخل ہوئی تو اس کے پہلے حرف کو کسرہ دے دیا گیا جس طرح کبرك الصدر یہ باء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ برکہ باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ وجہ آخر میں ھاء کا آنا ہے۔ ایک

قول یہ کیا گیا ہے: لینہ اصل میں لونہ تھا، واؤ کو یاء سے بدل دیا کیونکہ اس کا قبل مکسور ہے لینہ کی جمع لین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کی جمع لیان ہے۔

اخفش نے کہا: اسے لینہ نام دیا گیا یہ لون سے مشتق ہے یہ لین سے مشتق نہیں۔ مہدوی نے کہا: اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ لون سے مشتق ہے اس کی اصل لونہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں لینہ ہے یہ لان یلین سے مشتق ہے۔ عبد الله نے یوں قراءت کی ماقطعتم مِنْ لِينَةٍ ولا ترکتم قوما علی أصولها یعنی وہ اپنے تنوں پر کھڑے ہیں۔ اعمش نے یوں قراءت کی ماقطعتم من لِينَةٍ اوتر کتموها قُوَّمَاء علی اصولها معنی ہے تم انہیں نہ کاٹو اسے قُوَّمَاء علی أصلِها بھی پڑھا گیا ہے، اس میں دو وجوہ ہیں (۱) یہ اصل کی جمع ہے جس طرح رَهْن اور رُهُن ہے (۲) واؤ کی بجائے ضمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اسے قائمًا علی أصوله بھی پڑھا گیا ہے اس میں لفظ ما کا اعتبار کیا گیا ہے۔

فَبِإِذْنِ اللهِ اذن، امر کے معنی میں ہے۔ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝ تا کہ الله تعالیٰ اپنے نبی اور اپنی کتب کے ذریعے انہیں ذلیل ورسوا کرے۔

وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

"اور جو مال پلٹا دیئے الله نے اپنے رسول کی طرف ان سے لے کر تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ الله تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور الله تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال پلٹا دیا ہے الله تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ الله کا ہے، اس کے رسولوں کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ اور ڈرتے رہا کرو الله سے، بے شک الله تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

ان دو آیات میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ یعنی الله تعالیٰ نے اپنے رسول پر بنو نضیر کے اموال لوٹا دیئے تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے۔ ایجاف سے مراد رفتار میں تیزی دکھانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وجف الفرس جب گھوڑا تیز دوڑا، أوجفته أنا میں نے اسے حرکت دی، میں نے اسے کسی کے پیچھے لگایا؛ اسی معنی میں تمیم بن مقبل کا قول

ہے: اِذَا الرکب اَوْ جَفَوْا جب اونٹ تیزی سے چل پڑے۔ رکاب کا معنی اونٹ ہے اس کی واحد راحلہ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم نے وہاں تک پہنچنے میں کوئی لمبا سفر طے نہیں کیا، نہ وہاں جنگ اور کسی مشقت کا سامنا کیا۔ یہ بستی مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔ فراء نے کہا: صحابہ کرام پیدل ہی وہاں گئے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار نہ ہوئے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار ہوئے تھے یا ایسے دراز گوش پر سوار ہوئے تھے جس کو چھال کی رسی ڈالی گئی تھی۔ اس بستی کو صلح کے ذریعے فتح کیا۔ انہیں جلاوطن کیا اور ان کے اموال اپنے قبضہ میں لے لیے۔ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس امر کا سوال کیا کہ یہ اموال بھی ان میں تقسیم کر دیئے جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے اموال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص کر دیئے جہاں آپ چاہیں انہیں صرف کریں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔

علامہ واقدی نے کہا: اسے ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین محتاج انصاریوں کے علاوہ کسی انصاری کو کچھ بھی نہ دیا ان میں حضرت ابودجانہ، حضرت سماک بن خرشہ، حضرت سہل بن حنیف اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دو انصاری صحابہ کو مال عطا کیا حضرت سہل اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہما۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ابن ابی حقیق کی تلوار عطا کی۔ اس کی یہ تلوار ایسی تھی جس کا ان کے ہاں بڑا شہرہ تھا۔ بنو نضیر میں سے صرف دو افراد ایمان لائے سفیان بن عمیر اور سعد بن وہب، دونوں نے اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ ان کے اموال انہیں کے پاس رہیں گے تو انہوں نے اپنے اموال کو محفوظ کر لیا۔

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ بنو نضیر کے اموال وہ اموال تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا کر دیئے جن پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اموال میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچہ عطا کرتے اور ان اموال میں سے جو کچھ بچ رہتا اسے جہاد میں استعمال ہونے والے جانوروں اور اسلحہ میں استعمال کرتے تاکہ جہاد کی تیاری رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے اور حضرت علی کے درمیان ان اموال میں فیصلہ کر دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمائے۔ حضرت عمر نے کہا: کیا تم دونوں جانتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو مال ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے''۔ دونوں نے جواب دیا: ہاں ہم جانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خاص کیا ہے کسی اور فرد کو ان اموال کے لیے خاص نہیں کیا مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ۔

میں نہیں جانتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی ہے یا نہیں پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے اموال تمہارے درمیان تقسیم کر دیئے اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اموال کو تمہارے مقابلہ میں اپنے لیے خاص نہیں کیا اور نہ تمہیں چھوڑ کر خود لیا یہاں تک کہ یہ مال باقی رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سال بھر کا روزینہ اس سے لیتے باقی ماندہ کو دوسرے اموال جیسا قرار دیتے۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بنو نضیر نے اپنے گھر اور اپنے اموال چھوڑے تو مسلمانوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ مال غنیمت کی طرح ان اموال میں بھی ان کا حصہ معین کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ یہ مال فئی ہے وہاں کچھ لڑائی ہوئی تھی کیونکہ انہیں کچھ عرصہ محاصرہ میں رکھا گیا تھا، انہوں نے قتال کیا اور کچھ لوگ قتل ہوئے پھر جلاوطنی کی شرط پر صلح کر لی حقیقت میں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ جنگ کی شروعات ہوئی تھیں اور محاصرہ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان اموال کو اپنے رسول کے لیے خاص کر دیا تھا۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو آگاہ کیا اور یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کی اور بغیر لشکر کشی اور سامان حرب کے انہیں غلبہ عطا کیا۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ یعنی دشمنوں میں سے جس پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ یہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے، صحابہ کرام کا ان میں کوئی حصہ نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل قریٰ سے مراد قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔ یہ دونوں قبیلے مدینہ طیبہ اور فدک میں آباد تھے۔ فدک جو مدینہ طیبہ اور خیبر سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ عرینہ اور ینبع کی بستیاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھیں۔ اس امر کی وضاحت کی کہ اس مال میں جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص کیا اس میں رسول اللہ کے علاوہ کے لیے بھی حصے ہیں مقصد بندوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھنا تھا۔ علماء نے اس آیت اور اس سے قبل آیت کے معنی میں گفتگو کی ہے کیا دونوں کا معنی ایک ہے یا مختلف ہے؟ آیت جو سورۂ انفال میں ہے تو علماء میں سے ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى اس کا حکم اس آیت کے حکم سے منسوخ ہے جو سورۂ انفال میں ہے کہ خمس ان افراد کے لیے ہے جن کا ذکر کیا گیا اور باقی چار حصے جہاد کرنے والوں کے لیے ہے۔ ابتداء اسلام میں غنیمت انہیں اقسام پر تقسیم ہوتی تھی؛ یہ قول یزید بن رومان، قتادہ اور دوسرے علماء کا ہے؛ اس کی مثل امام مالک سے مروی ہے۔ ایک قوم نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال صلح کے ساتھ لیا اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تو یہ ان کے لیے ہوگا جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے پہلا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہوگا جب ضرورت ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے لے لیتے اور باقی ماندہ مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیتے۔ معمر نے کہا: پہلا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور دوسرا مال جزیہ اور خراج ہے۔ یہ ان مذکورہ افراد کے لیے جن کا ذکر ہوا ہے۔ تیسرا مال غنیمت ہے جس کا ذکر سورۂ انفال میں ہے یہ مجاہدین کے لیے ہے۔ ایک قوم نے کہا جن میں امام شافعی بھی ہیں: دونوں آیتوں کا معنی ایک ہی ہے، یعنی کفار کے وہ اموال جو جنگ کے بغیر حاصل ہوں گے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، چار حصے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوں گے اور پانچواں حصہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، ایک حصہ قریبی رشتہ داروں کا ہوگا۔ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ کیونکہ انہیں زکوٰۃ لینے سے روک دیا گیا تھا۔ تو مال فئی میں ان کا حق رکھ دیا گیا۔ ایک حصہ یتیموں کے لیے ہوگا، ایک حصہ مسکینوں کے لیے ہوگا، ایک حصہ مسافروں کے لیے ہوگا۔ جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد مال فئی میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حصہ تھا۔ امام شافعی کے قول کے

مطابق ان مجاہدین پر صرف کیا جائے گا جو سرحدوں کی نگہبانی کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں۔ دوسرے قول میں ہے: اس مال کو مسلمانوں کی ضروریات کے لیے صرف کیا جائے گا جیسے سرحدوں کی حفاظت، نہریں کھودنا، پل بنانا۔ زیادہ اہم کو اہم پر مقدم رکھا جائے گا۔ یہ طریقہ مال فئی کے 4/5 حصہ میں جاری ہوگا یہ حکم مال فئی کے 4/5 حصہ میں ہے۔ جہاں تک مال فئی میں اور مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا تعلق ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں کے مصالح کے لیے استعمال ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہاری غنیمتوں میں سے میرے لیے خمس کے سوا کچھ نہیں اور خمس (پانچوں حصہ) بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا گیا ہے''۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ انفال میں گزر چکی ہے: اسی طرح جو مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے چھوڑ جائیں اس میں بھی وراثت جاری نہیں ہوگی بلکہ یہ صدقہ ہے جسے مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فئی کا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** اللہ تعالیٰ نے اس مال کو اپنے رسول کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال جمع نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس قدر مال لیا کرتے تھے جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی ضروریات ہوتیں تھیں باقی ماندہ مسلمانوں کی ضروریات کے لیے خرچ کر دیتے۔

قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: اس میں کوئی اشکال نہیں کہ تین آیات میں تین معانی ہیں۔ جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ** پھر فرمایا: **وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ**۔ **مِنْهُمْ** سے مراد اہل کتاب ہیں اس کا عطف سابقہ کلام پر ہے۔

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ اس سے اسی چیز کا ارادہ کیا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ پس تمہارا اس میں کوئی حق نہیں اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا۔ مراد بنی نضیر اور جوان کی مثل ہیں۔ یہ ایک ہی آیت ہے اور معنی بھی ایک ہی ہے۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ** یہ نئی کلام ہے پہلی سے مختلف ہے پہلی آیت میں موجود مستحقین کے علاوہ کے استحقاق کے لیے ہے۔

تیسری آیت سے مراد آیت غنیمت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا معنی اور ہے، ایک اور مستحق کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے مگر پہلی اور دوسری آیت دونوں اس میں شریک ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ایسی چیز کو ضمن میں لیے ہوئے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی ہے۔ پہلی آیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ آیت انفال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال قتال کے ساتھ حاصل ہوا ہے جبکہ تیسری آیت **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى** اس امر سے خالی ہے کہ وہ مال جنگ سے یا بغیر جنگ کے حاصل ہوا؛ اسی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔ ایک

جماعت نے کہا: یہ پہلی آیت کے ساتھ لاحق کی جائیگی، یہ سب کا سب صلح کا مال ہوگا یا اس کی مثل مال ہوگا۔

ایک جماعت کا قول ہے: یہ دوسری آیت جو آیت انفال ہے کے ساتھ لاحق کی جائیگی۔ جنہوں نے کہا: یہ آیت آیت انفال کے ساتھ لاحق کی جائیگی انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کیا یہ منسوخ ہے جس طرح پہلے گزرا ہے یا یہ محکم ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ شہادت جو اس سے پہلے ہے اسے اس کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں ایک نیا فائدہ اور نیا معنی ہے؛ جبکہ یہ تو معلوم و مشہور ہے کہ آیت کے حرف جو دوسری آیت سے زائد ہوں اسے نئے فائدہ پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے بنسبت اس کے کہ اسے سابقہ فائدہ پر ہی محمول کیا جائے۔

ابن وہب نے امام مالک سے فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد بنو نضیر ہیں اس میں خمس لازم نہیں تھا اور نہ ہی ان اموال کو حاصل کرنے کے لیے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے گئے تھے۔ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو مہاجرین اور تین انصاری صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیا جس طرح مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کی تفسیر میں یہ قول گزر چکا ہے کہ اَهْلِ الْقُرٰى سے مراد قریظہ کا قبیلہ ہے۔ قریظہ اور غزوہ خندق کا واقعہ ایک ہی روز ہوا تھا۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک کا قول کہ دوسری آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا معنی آیت انفال کے معنی کی طرف لوٹ رہا ہے اور اسے نسخ لاحق ہوتا ہے۔ اسے محکم قرار دینے کی بنسبت یہ قول زیادہ قوی ہے۔ ہم کسی قول کو پسند نہیں کرتے مگر اسے ہی جسے ہم نے اس انداز میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ دوسری آیت کا معنی نیا ہے جس طرح ہم نے اس پر دلیل قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو پسند کیا ہے، وہ حسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سورۂ حشر سورۂ انفال کے بعد نازل ہوئی یہ امر محال ہے کہ متقدم بعد میں نازل ہونے والی آیت کو منسوخ کر دے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: مال تین قسم کے ہیں۔ مال غنیمت، مال فئی، صدقہ۔ ان میں سے کوئی درہم نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا محل بیان کر دیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وہ اموال جن میں ائمہ اور والیوں کا عمل دخل ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ جو مسلمانوں سے اس طریقہ پر لیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو پاک کیا جائے جس طرح صدقات، زکوۃ وغیرہ۔

۲۔ مال غنیمت، اس سے مراد وہ مال ہے جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتا ہے جیسے جنگ و غلبہ کے ذریعے۔

۳۔ مال فئی: اس سے مراد وہ اموال ہیں جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتے ہیں اس میں کوئی جنگ نہیں ہوتی اور نہ گھوڑوں کو دوڑایا جاتا ہے جس طرح صلح، جزیہ، خراج اور کافر تجار سے ٹیکس، اس کی مثل یہ صورت بھی ہے کہ مشرک بھاگ جائیں اور اپنے اموال چھوڑ جائیں یا ان میں سے کوئی دار السلام میں فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ جہاں تک صدقہ کا تعلق ہے اس کا مصرف فقراء، مساکین اور عاملین زکوۃ ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ جس کی وضاحت سورۂ براءت میں گزر چکی ہے۔ جہاں تک مال غنیمت کا تعلق ہے۔ ابتداء اسلام میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے، جیسے چاہیں

اس میں صرف کریں جس طرح سورۂ انفال میں فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (آیت:1) پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ (انفال:41) سورۂ انفال میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ جہاں تک مال فیٔ کا تعلق ہے تو اس کی تقسیم اور خمس کی تقسیم برابر ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں قسم کے اموال کی تقسیم کا انحصار امام کی رائے پر ہے۔ اگر اس کی رائے بنے کہ اسے ان مصائب کے لئے محفوظ کر لے جو مسلمانوں پر واقع ہوتی ہیں تو ایسا کرے اگر وہ دونوں یا ایک کی تقسیم کی رائے بنے تو لوگوں کے درمیان اسے تقسیم کر دے اور عربی اور اس کے مولی میں برابری کرے اور مرد و عورت میں سے فقراء سے شروع کرے یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائیں۔ مال فیٔ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو وہ حصہ دے جو امام کی رائے بنے ان کے لیے کوئی معلوم حد نہیں ان میں سے غنی کو عطا کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ انہیں اس میں سے حصہ دیا جائے کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ امام مالک نے کہا: فقراء کے علاوہ کسی کو کچھ نہ دیا جائے گا کیونکہ ان کے حق میں یہ صدقہ کا عوض ہے۔

امام شافعی نے کہا: کفار کا جو مال بغیر قتال کے حاصل ہوتا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پچیس حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ بیس حصے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جو چاہتے کرتے اور پانچواں حصہ وہاں صرف کیا جاتا جہاں مال غنیمت کا پانچواں حصہ صرف کیا جاتا۔

ابو جعفر بن داؤدی نے کہا: یہ ایسا قول ہے جو پہلے کسی نے نہیں کیا جو کچھ ہم جانتے ہیں بلکہ یہ سارا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں ثابت ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا فرمان: خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الاحزاب:50) اس پر دلالت کرتا کہ کسی غیر کو ہبہ کرنا جائز ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (الاعراف:32) اس امر کو جائز کرتا ہے کہ اس میں اور بھی شریک ہیں۔ امام شافعی کا اس بارے میں مفصل قول گزر چکا ہے۔ الحمدللہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ فیٔ کے خمس کا طریقہ وہی ہے جو مال غنیمت کے خمس کا طریقہ ہے اور 4/5 حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے ہوگا۔ آپ کا ایک اور قول بھی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ان لوگوں کے لیے ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لیے وقف کر رکھا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے کہا: جس شہر سے جو مال اکٹھا کیا گیا ہے تمام مال وہاں ہی تقسیم کر دیا جائے گا۔ جس شہر سے وہ مال جمع کیا گیا ہے وہاں سے اسے منتقل نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائیں۔ پھر وہاں سے قریبی کی طرف منتقل کیا جائے، مگر اس صورت میں کہ جس جگہ سے مال وصول کیا گیا ہے اس کی بجائے کسی اور جگہ سخت فاقہ کی نوبت آجائے تو وہاں سے فاقہ والی جگہ کی طرف مال منتقل کر دیا جائے گا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آفت کے سالوں میں کیا تھا وہ پانچ سال تھے یا چھ سال تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دو سال تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک سال تھا جس میں طاعون کے ساتھ بھوک شدید ہو گئی تھی۔

اگر ایسی صورتحال نہ ہو جو ہم نے بیان کی اور امام کی یہ رائے ہو کہ مال فیٔ کو روک لے تو مسلمانوں پر واقع ہونے والی

آفتوں کے لیے اسے روک لے اور اس مال میں سے نوزائیدہ بچے کو دے اور اس کی تقسیم اس فرد سے شروع کرے جس کا باپ فقیر ہو۔ مال فئی اغنیاء کے لیے بھی حلال ہے۔ اس کی تقسیم میں سب لوگوں کو برابر رکھے مگر ضرورت مندوں کو ترجیح دے، جس قدر کسی کی ضرورت ہو اس کی مناسبت سے زیادہ دے۔ اس مال سے مقروضوں کو دے جس کے ذریعے وہ اپنے قرضے ادا کریں اگر کوئی انسان اہل ہو تو اس میں سے انعام اور عطیہ دے۔ قاضیوں، حکام اور ان کو دے جس میں انسان کی منفعت ہو۔ اس میں سے زیادہ حصہ کے مستحق وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے لئے زیادہ نفع کا باعث ہوں۔ جس نے مال فئی میں سے کوئی چیز دیوان میں نام لکھوا کر لی تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ جہاد میں شریک ہو جب جہاد کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَةً عام قراءت یَکُوۡنَ یاء کے ساتھ ہے۔ اور دُوۡلَةً نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی کی لایکون الفئی دولۃ۔ ابو جعفر، اعرج اور ہشام نے ابن عامر سے اور ابو حیوہ نے تکون تاء کے ساتھ اور دولۃ کو مرفوع پڑھا ہے۔ یہ کان تامہ ہے۔ دولۃ یہ کان کا اسم ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ یہ ناقصہ ہو اور اس کی خبر بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ یہ دُوۡلَةً کا وصف ہو۔ عام قرائت دولۃ دال کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ سلمی اور ابو حیوہ نے اسے نصب کے ساتھ یعنی دولۃ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر، یونس اور اصمعی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا: دولۃ سے مراد جنگ وغیرہ میں کامیابی کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے اور ضمہ کے ساتھ اس شے کا نام ہے جو مال ہو اور لوگوں کے درمیان گردش کناں ہو؛ ابو عبید نے یہی کہا ہے: الدولۃ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو گردش کناں رہتی ہے اور دولۃ مصدر ہے آیت کا معنی یہ ہے مال فئی میں یہ اس لئے کہا تا کہ رؤساء، اغنیاء اور قوی لوگ آپس میں تقسیم نہ کر لیں فقراء اور کمزور لوگوں کو کچھ حصہ نہ ملے کہ دور جاہلیت میں جب کوئی قوم مال غنیمت حاصل کرتی تو ان کا رئیس اس کا چوتھا حصہ اپنے لیے لیتا یہی مرباع تھا پھر مرباع کے بعد اپنے لیے جو چاہتا منتخب کر لیتا؛ اس بارے میں شاعر نے کہا:

لك المرباع منها والصفايا

اس مال غنیمت میں سے تیرے لیے مرباع اور چنا ہوا مال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تا کہ اس میں اس طرح کا معاملہ نہ کیا جائے جس طرح کا معاملہ دور جاہلیت میں کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص کر دیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے وہاں صرف کر دیں جہاں صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اس میں خمس نہیں جب خمس لازم ہوگا تو وہ تمام مسلمانوں میں تقسیم ہوگا۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا یعنی مال غنیمت میں سے رسول اللہ جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز کو لینے اور خیانت کرنے سے روکیں اس سے رک جاؤ؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا نقطۂ نظر ہے۔ سدی نے کہا: مال فئی میں سے جو رسول اللہ تمہیں عطا کریں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس کا مطالبہ نہ کرو۔ ابن جریج نے کہا: میری طاعت کے بارے میں جو پیغام لائیں اسے بجالاؤ اور میری معصیت سے روکیں تو اس سے رک

جاؤ۔ ماوردی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ امر تمام اوامر ونواہی پر محمول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اچھے امر کا حکم دیتے ہیں اور فاسد امر سے روکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس سے مراد بھی وہی ہے جو اس سے ماقبل قول کی مراد تھی۔ یہ تین اقوال ہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ مہدوی نے کہا: **وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** یہ ارشاد اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کا حکم دیا وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر ہے۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ غنائم کے بارے میں ہے پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور نواہی اس میں داخل ہیں۔ حضرت حکم بن عمیر نے کہا جو صحابی تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ قرآن اس کے لیے سخت مشکل ہے جو اسے ترک کرے اور جو اس کی اتباع کرے اور اس کی طلب کرے اس کے لیے آسان ہے۔ اور میری حدیث بھی مشکل ہے جس نے میری حدیث کو مضبوطی سے پکڑا اور اسے یاد کیا تو وہ قرآن کے ساتھ نجات پا گیا جس نے قرآن اور میری حدیث کے بارے میں سستی کی تو وہ دنیا و آخرت میں خسارے میں رہا۔ تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ میرے قول کو مضبوطی سے پکڑو، میرے حکم کی محافظت کرو اور میری سنت کی اتباع کرو۔ جو میرے قول پر راضی ہوا وہ قرآن پر راضی ہوا جس نے میرے قول کا مذاق اڑایا تو اس نے قرآن کا مذاق اڑایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**۔

مسئلہ نمبر 8۔ عبد الرحمن بن زید نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک محرم سے ملے جس کے جسم پر کپڑے تھے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا: یہ کپڑے اتار دو۔ اس آدمی نے عرض کی: کیا تم اس کی تصدیق کے لیے مجھ پر کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھو گے؟ فرمایا: ہاں **وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** عبد اللہ بن محمد بن ہارون فریابی نے کہا: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو چاہو تم مجھ سے سوال کرو میں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمہیں آگاہ کروں گا۔ میں نے آپ سے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کے معاملات کو درست کرے، آپ اس محرم کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بھڑ کو قتل کر دیتا ہے؟ حضرت امام شافعی نے جواب دیا: **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**۔

سفیان بن عیینہ، عبد الملک بن عمیر سے وہ ربعی بن حراش وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر وعمر میرے بعد تم ابو بکر و عمر کی پیروی کرنا۔

سفیان بن عیینہ، مسعر بن کدام سے وہ قیس بن مسلم سے وہ طارق بن شہاب سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھڑ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے علماء نے کہا: یہ بہت اچھا جواب ہے۔ امام شافعی نے حالت احرام میں بھڑ کو قتل مارنے کا فتویٰ دیا اور امام شافعی نے اس امر کی وضاحت کی کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت عمر کی اقتداء کر رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی اقتدا کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کو قبول کرنے کا حکم دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں، تو بھڑ کے قتل کا جواز کتاب و سنت سے مستنبط ہے؛ یہی معنی عکرمہ کے قول میں گزر چکا ہے جب ''ان سے امہات اولاد کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: سورۂ نساء میں انہیں آزاد قرار دیا گیا ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (آیت:59)

صحیح مسلم اور دوسری کتب میں علقمہ حضرت ابن مسعود بڑی ہے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لعن الله الواشماتِ و المُسْتَوْشِماتِ و المُتَنَمِّصَاتِ و المُتَفَلِّجاتِ للحُسْنِ المُغَيِّرَاتِ خلق الله اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں پر، گودجانے والیوں پر، چہرے سے بال نوچنے والیوں پر، خوبصورتی کے لئے دانتوں کو کھلا کرانے والیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں تبدیلی کرنے والیوں پر۔

بنی اسد کی ایک عورت تک یہ خبر پہنچی جسے ام یعقوب کہا جاتا وہ عورت آئی اس نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے اس اس عورت پر لعنت کی ہے۔ فرمایا: جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جبکہ وہ کتاب اللہ میں ہے؟ اس عورت نے کہا: دفتین میں جو کچھ ہے میں نے اسے پڑھا ہے میں نے اس میں وہ نہیں پایا جو تم کہتے ہو۔ فرمایا: اگر تو اس کو پڑھتی تو ضرور پاتی، کیا تو نے اسے پڑھا: وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ یہ بحث سورۂ نساء میں مفصل گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ یہاں لفظ ایتاء آیا ہے جس کا معنی عطا کرنا ہے تاہم اس کا معنی حکم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اس کے مقابل نہی کا لفظ ذکر کیا۔ نہی، امر کے سوا کسی کے مقابل نہیں ہوتی۔ جو چیز ہم نے پہلے ذکر کی ہے اس کے فہم پر دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے: إذا أمرتكم بأمر فاءتوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شئ فاجتنبوا۔

جب میں تمہیں کسی امر کا حکم دوں تو جتنی طاقت رکھو اس کو بجالاؤ اور جب میں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔ کلبی نے کہا: یہ آیت مسلمان رؤسا کے بارے میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ جب مشرکوں کے اموال پر غالب آئے تو عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ پسندیدہ چیز اور چوتھا حصہ لے لیں باقی ہمارے لیے چھوڑ دیں، ہم دور جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے اور انہوں نے یہ پڑھا: لك المِرْباع منها و الصَّفايا آپ ﷺ کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ اور منتخب چیز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچو جس نے اس کی نافرمانی کی اس کے لیے وہ شدید ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی میں اس سے ڈرو تم اسے ضائع نہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝ اللہ تعالیٰ نے جس کا حکم دیا اس کے بارے میں وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝

”(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے جنہیں (جبرا) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے (یہ نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے

رسول کی، یہی راستباز لوگ ہیں"۔

مال فئی اور غنیمتیں مہاجر فقراء کے لیے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغنیاء میں ہی گردش کناں نہ رہے بلکہ یہ فقراء کے لیے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کا بیان ہے۔ جب ان کی اصناف کا ذکر کیا گیا تو کہا گیا: مال ان لوگوں کے لئے ہے، کیونکہ یہ فقراء، مہاجر ہیں انہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ہے، یہ دوسرے لوگوں کی نسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کے لئے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے تاکہ یہ اموال دنیاداروں میں سے اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہ کرتے رہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کی وجہ سے کفار کو سخت سزا دینے والا ہے۔ ان فقراء میں وہ فقراء بھی داخل ہو گئے ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے مگر یہاں واؤ عاطفہ نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: هذا المال لزید لبکر لفلان لفلان یہاں مہاجرین سے مراد وہ مہاجر ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں وہ مہاجر مراد ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے اپنے گھر، اپنے اموال، اپنے اہل اور اپنے وطن کو چھوڑا یہاں تک کہ ایک آدمی بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تاکہ اس کی کمر سیدھی رہے، ایک آدمی موسم سرما میں ایک گڑھا کھودتا موسم سرما میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی گرمی پہنچانے والا بستر نہ ہوتا۔

عبدالرحمن بن ابزی اور سعید بن جبیر نے کہا: مہاجروں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جن میں سے کسی کے پاس غلام، بیوی، گھر اور سواری نہ تھی جس پر سوار ہو کر وہ حج کرتا یا جہاد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فقیر قرار دیا اور زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھا۔ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ کا معنی ہے کفار مکہ نے انہیں گھروں سے نکالا یعنی انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ وہ سو افراد تھے۔ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں غنیمت اور آخرت میں اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں۔ وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وہ اس فعل میں سچے ہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا فرمایا: جو آدمی قرآن کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہے تو وہ حضرت ابی بن کعب کے پاس جائے، جو فرائض (وراثت) کا مسئلہ سمجھنا چاہے تو وہ حضرت زید بن ثابت کے پاس جائے، جو فقہ کا مسئلہ پوچھنا چاہے تو وہ حضرت معاذ بن جبل کے پاس جائے، جو مال کا سوال کرنا چاہے تو وہ میرے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا خازن اور قاسم بنایا ہے۔ خبردار! میں مال کی تقسیم کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کرنے والا ہوں، میں انہیں عطا کروں گا پھر مہاجرین اولین کا حق ہے میں اور میرے صحابہ کو مکہ مکرمہ سے نکالا گیا نہ ہمارے گھر رہے اور نہ ہی ہمارے اموال رہے۔

وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَۚ۝

''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے، محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو، اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں''۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ سے مراد انصار ہیں جنہوں نے مہاجرین سے قبل مدینہ طیبہ کو اپنا وطن بنایا تھا۔ الْاِيْمَانَ کا لفظ تَبَوَّؤُا کی بجائے کسی اور فعل کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ تبوّء کا تعلق مکان سے ہوتا ہے۔ مِنْ قَبْلِهِمْ، من تَبَوَّؤُا کے متعلق ہے معنی ہے جنہوں نے مہاجرین سے پہلے یہاں رہائش اختیار کی، ایمان کا اعتقاد رکھا اور اس کے لئے اخلاص کا مظاہرہ کیا کیونکہ ایمان ایسی چیز نہیں جس کو ٹھکانہ بنایا جائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ (یونس: 71) یہاں بھی تقدیر کلام یہ ہے وادعوا شرکاء کم ابوعلی، زمخشری اور دوسرے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ کلام بھی اس طریقہ پر ہے عَلَفْتُها تِبنًا و ماءً باردًا یہاں بھی ایجاز حذف کا قاعدہ ہے۔ اصل میں سقیتھا ماءً باردًا یہ بھی جائز ہے کہ مضاف کے حذف پر اسے محمول کیا جائے گویا یوں ارشاد فرمایا: تبوؤ الدار و مواضع الایمان یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے جس پر تبوؤ دلالت کرتا ہے۔ گویا فرمایا: لزموا الدار ولزموا الایمان یہ بھی جائز ہے کہ تبوء الایمان ضرب المثل کے طریقہ پر ہو جس طرح تو کہتا ہے: تبوأ من بنی فلان الصمیم۔ التبوأ سے مراد تمکن اور استقرار ہے۔ یہ مراد نہیں کہ انصار مہاجرین سے پہلے ایمان لائے بلکہ یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ایمان لائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کیا اس آیت کا ماقبل آیت سے اعرابی تعلق نہیں یا اس کا ماقبل پر عطف ہے؟ ایک قوم کی یہ رائے ہے: اس کا عطف لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ پر ہے سورۂ حشر میں جتنی بھی آیات ہیں سب ایک دوسرے پر معطوف ہیں۔ پس اگر اس میں وہ غور و فکر کرتے اور انصاف سے کام لیتے تو جو نقطہ نظر انہوں نے اپنایا ہے اس سے خلاف پاتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۝ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ

انجلاء لعذبھم فی الدنیا و لھم فی الاخرۃ عذاب النار ○ ذلک بانھم شاقوا اللہ و رسولہ و من یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب ○ ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ و لیخزی الفسقین ○ میں بنی نضیر اور بنی قینقاع کے بارے میں خبر دی ہے، پھر فرمایا: وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل و لا رکاب و لکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء اس میں خبر دی کہ یہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں کیونکہ جب اموال ان سے چھڑوائے گئے ان پر کوئی گھوڑے نہیں دوڑائے گئے۔ ان کے بارے میں جو گزرا کہ قتال ہوا، ان کے درخت کاٹے گئے۔ صحابہ نے اسے چھوڑ دیا تھا اور وہ امر ختم ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا: ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ و للرسول و لذی القربی و الیتمی و المسکین و ابن السبیل اس کا ماقبل کلام پر کوئی عطف نہیں اسی طرح والذین تبوؤ الدار و الایمان انصار کی مدح اور ان کی ثنا کا آغاز ہو رہا ہے کیونکہ انہوں نے اس مال فئی کو مہاجرین کے سپرد کر دیا تھا گویا فرمایا: مال فئی مہاجر فقراء کے لیے ہے۔ انصار ان سے محبت کرتے ہیں اور مال فئی جو مہاجرین کے لئے خاص کیا گیا انہوں نے اس سے حسد نہ کیا اسی طرح والذین جاءو من بعدھم نئی کلام ہے اس کی خبر یقولون ربنا اغفر لنا ہے۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: والذین تبوؤ الدار اور والذین جاءو کا ماقبل پر عطف ہے۔

وہ مال فئی میں شریک ہیں، یعنی یہ مال مہاجرین اور انصار کے لیے ہے۔ مالک بن اوس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ انما الصدقت للفقراء (التوبہ: 60) فرمایا: یہ ان کے لیے پھر واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ (الانفال: 41) فرمایا: یہ ان کے لیے، پھر ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ و للرسول و لذی القربی و الیتمی و المسکین و ابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم و ما اتکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا و اتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ○ للفقراء المھجرین۔ والذین تبوؤ الدار و الایمان، والذین جاءو من بعدھم آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو ایک چرواہا جو حمیر کے پہاڑوں (جو یمن کا علاقہ ہے) میں ہوگا اس کا حصہ اس کے پاس پہنچے گا، اس کی پیشانی کو پسینہ سے شرابور نہ ہونا پڑے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو بلایا اور اللہ تعالیٰ نے جو فتوحات عطا فرمائی تھیں ان کے بارے میں مشورہ طلب کیا فرمایا: معاملہ میں خوب غور و فکر کرو پھر اگلے روز میرے پاس آؤ، آپ نے رات بھر سوچ و بچار کی تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ آیات اس معاملہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جب وہ صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے فرمایا: میں نے گزشتہ رات ان آیات کو پڑھا جو سورۂ حشر میں ہیں اور ان آیات کو تلاوت کیا۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ و للرسول و لذی القربی و الیتمی و المسکین و ابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم و ما اتکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا و اتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ○ للفقراء المھجرین جب اولئک ھم الصدقون ○ تک پہنچے فرمایا: یہ اموال صرف ان کے لیے نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی و الذین جاءو من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین

اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ پھر فرمایا: اہل اسلام میں سے کوئی آدمی نہیں بچا جو اس میں داخل نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مالک نے زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: اگر بعد میں آنے والے لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بستی فتح نہ کی جاتی مگر میں اسے اس طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا۔ کثیر سندوں سے اخبار مشہورہ میں یہ موجود ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کا دیہاتی علاقہ، مصر اور ان کی غنیمتوں کو مجاہدین میں تقسیم کیے بغیر باقی رہنے دیا تا کہ ان اموال سے مجاہدین کے عطیات، کمزور لوگوں اور بچوں کو روزینہ کا بندوبست ہو سکے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مفتوحہ علاقوں کو ان میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس رائے کو پسند نہ کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اس میں اختلاف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ نے یہ عمل غازیوں کی خوشنودگی سے کیا۔ جس نے اپنا حصہ بغیر قیمت کے چھوڑ دیا تا کہ مسلمانوں کے لئے باقی چھوڑے اور وہ اس پر راضی تھا وہ آپ نے لے لیا اور جس نے ایسا کرنے سے انکار کیا آپ نے اسے اس کے حصہ کی قیمت دے دی۔ کچھ نے کہا: آپ نے لوگوں کی رضامندی کے بعد زمین کو اس طرح رہنے دیا آپ کے اس عمل کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بنا دیا جائے گا کیونکہ آپ نے خیبر کے علاقہ کو تقسیم کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خریدا اور جس نے اپنے حصہ کو خوشدلی سے ترک کر دیا یہ اس کی تقسیم کے قائم مقام ہی ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ آپ نے مجاہدین کو کوئی چیز دیئے بغیر اس علاقہ کو مملکت اسلامیہ کی ملکیت میں باقی رہنے دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ میں تاویل کر دی تھی۔

مسئلہ نمبر 4۔ زمینوں اور جاگیروں کی تقسیم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: امام کو حق حاصل ہے کہ وہ ان زمینوں کو مسلمانوں کے مصالح کے لئے وقف کر دے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: امام کو اختیار حاصل ہے کہ ان زمینوں کو تقسیم کر دے یا مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اسے وقف کر دے۔ امام شافعی نے کہا: مجاہدین کی رضا کے بغیر امام کو وہ زمینیں روکنے کا حق نہیں بلکہ دوسرے اموال کی طرح ان زمینوں کو بھی ان میں تقسیم کر دے۔ جس نے خوش دلی سے اپنا حق امام کے حوالے کر دیا کہ وہ لوگوں کے مصالح کے لئے اسے وقف کر دے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اور جو راضی نہ ہو تو وہ اپنے مال کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو راضی کیا اور ان سے وہ زمینیں خرید لیں (1)۔

میں کہوں گا: اس تعبیر کی بنا پر وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ماقبل کلام سے لاتعلق ہوگا انہیں پہلوں کے حق میں دعا اور ان

1۔ احکام القرآن لابن العربی

کی تعریف کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک کو مدینہ طیبہ کی دوسرے علاقوں پر فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے سنا: مدینہ کو ایمان اور ہجرت کا ٹھکانہ بنایا گیا جبکہ دوسری بستیاں انہیں بزور شمشیر فتح کیا گیا۔ پھر آپ نے اس آیت وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کی قراءت کی۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اور اسی طرح دونوں مسجدوں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کی بحث گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا۔ مال فئی اور دوسری چیزوں کو جو مہاجرین کے لئے خاص کیا گیا ہے اس پر انصار کوئی حسد نہیں کرتے؛ اسی طرح لوگوں نے کہا: اس میں دو مضاف مقدر ہونگے تقدیر کلام یہ ہوئی مَسَّ حاجۃٍ مِنْ فَقْدِ ما اُوتوا انسان اپنے سینہ میں کوئی ایسی چیز پاتا ہے جس کے ازالہ کی اسے ضرورت ہوتی ہے تو اسے حاجت کہتے ہیں مہاجرین، انصار کے گھروں میں رہتے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنونضیر کے اموال حاصل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا انہوں نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا کہ انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور اپنے اموال میں انہیں شریک کیا اس پر ان کا شکریہ ادا کیا پھر فرمایا: ''اگر تم پسند کرو تو اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے جو اموال ہمیں عطا کیے ہیں وہ میں تمہارے اور ان کے درمیان تقسیم کردوں اور مسلمان اسی طرح تمہارے گھروں اور اموال میں حصہ دار رہیں اور اگر تم پسند کرو تو میں یہ اموال ان کو دے دوں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل جائیں''۔

حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے عرض کی: نہیں بلکہ ان اموال کو مہاجرین میں تقسیم کردو اور وہ ہمارے گھروں میں ہی رہیں جس طرح وہ پہلے گھروں میں رہتے تھے۔ سب انصار نے یک زبان ہو کر کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس پر راضی ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یوں دعا کی: اللّٰھم الأنصار و أبناء الانصار اے اللہ! انصار اور انصار کی اولادوں پر رحم فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اموال مہاجرین کو دے دیئے اور انصار کے تین افراد کے سوا کسی کو کچھ نہ دیا جن کا ذکر ہم پہلے آیت 10 کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ہو جب مال تھوڑا ہو تو وہ اس پر قناعت کرتے ہیں اور اسی پر راضی ہوتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں اسی طرح تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی اسی طرح رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خبردار کیا تھا فرمایا: ستروں بعدی أثرۃ فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض (1) تم میرے بعد دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیا جاتا دیکھو گے تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم حوض پر مجھے ملو۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ ایک آدمی کے پاس مہمان نے رات گزاری۔ اس کے پاس صرف اپنے اور اپنے بچوں کے لیے کھانا موجود

1۔ احکام القرآن لابن العربی

تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: بچوں کو سلا دو، چراغ بجھا دو اور جو کچھ تیرے پاس ہے مہمان کی خدمت میں پیش کر۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: میں بڑی مشقت میں مبتلا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میرے پاس تو صرف پانی ہی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے بھی اس کی مثل عرض کی یہاں تک کہ تمام ازواج مطہرات نے یہی گزارش کی۔ نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میرے پاس تو پانی نہیں۔ فرمایا: ”آج رات کو اس کی جو مہمان نوازی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے“۔ ایک انصاری اٹھا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں (یہ خدمت سرانجام دوں گا) وہ انصاری اس مہمان کو گھر لے گیا اپنی بیوی سے کہا: کیا تیرے پاس کوئی شے ہے۔ اس نے کہا: نہیں مگر بچوں کا کھانا ہے۔ کہا: بچوں کو کسی طرح بہلا پھسلا لینا، جب ہمارا مہمان گھر میں داخل ہو تو چراغ کو بجھا دینا، میں اسے یہ ظاہر کروں گا کہ میں کھانا کھا رہا ہوں۔ جب وہ کھانا کھانے کے لئے جھکا تو عورت چراغ کی طرف اٹھی اور اسے گل کر دیا۔ کہا: وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھا لیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے بہت خوش ہوا ہے“۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھانا کھلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی کھانا نہیں تھا جو آپ اسے کھلاتے فرمایا: ”کیا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس کی ضیافت کرے، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے“۔ ایک انصاری اٹھا جسے ابو طلحہ کہتے وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور پہلی حدیث کی مثل حدیث نقل کی۔ اس میں آیت کے نزول کا ذکر کیا۔

مہدوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور انصار کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ثابت اس کے پاس مہمان کے طور پر آئے تھے جسے ابو المتوکل کہا جاتا۔ حضرت ابو المتوکل کے پاس اپنے اور اپنے بچوں کے لئے کھانا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا: چراغ کو گل کر دو اور بچوں کو سلا دو جو کچھ کھانا ہے اسے مہمان کے سامنے پیش کر دو؛ نحاس نے بھی اسی کی مثل ذکر کیا ہے۔ کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک انصاری جس کو ابو المتوکل کہا جاتا کے پاس حضرت ثابت بن قیس مہمان کے طور پر ٹھہرے ان کے پاس اپنے اور بچوں کے کھانے کے سوا کوئی کھانا نہیں تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا: چراغ کو گل کر دو اور اپنے بچوں کو سلا دو۔ تو یہ آیت وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ نازل ہوئی۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عمل کرنے والے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے (1)۔ قشیری ابو نصر عبد الرحیم بن عبد الکریم نے ذکر کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک کو ایک سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس نے کہا: میرا

1۔ المحرر الوجیز

فلاں بھائی اور اس کے اہل ہم سے اس کی زیادہ ضرورت رکھتے ہیں۔ اس نے وہ سر اس کی طرف بھیج دیا۔ وہ سر لگا تار ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف بھیجا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ سات گھروں تک پہنچا اور پھر انہیں تک واپس آ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی؛ ثعلبی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک کو بکری کا سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا وہ بڑے تنگدست تھے۔ اس نے وہ سر اپنے پڑوسی کو بھیج دیا۔ وہ سر سات گھروں میں سے سات افراد تک گھومتا رہا، پھر وہ پہلے کی طرف لوٹ آیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کے ساتھ جنگ کے موقعہ پر انصار سے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو میں تمہارے گھروں اور اموال کو مہاجرین کے لئے تقسیم کر دوں اور تم بھی اس غنیمت میں شریک ہو جاؤ۔ اگر تم چاہو تو تمہارے گھر اور تمہارے اموال تمہارے پاس رہیں اور مال غنیمت میں سے کوئی چیز تمہیں نہ دیں“۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ ایک صحابی اپنی زمین میں سے کچھ کھجوروں کے درخت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مختص کرتا یہاں تک کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح ہوئی۔ اس صحابی نے جو درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس کر دیے۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب مہاجر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے، ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انصار زمینوں اور جائیدادوں والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں یوں تقسیم کی کہ انصار ہر سال اپنے اموال کا نصف مہاجرین کو دیں گے اور مہاجرین کام اور مشقت کے ذمہ دار ہونگے۔ حضرت انس بن مالک کی ماں جسے حضرت ام سلمہ کہتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ کی والدہ تھی۔ یہ حضرت انس کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کھجوروں کے کچھ درخت پیش کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی لونڈی حضرت ام ایمن عطا کی جو حضرت اسامہ بن زید کی والدہ تھی۔

ابن شہاب نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اہل خیبر کے ساتھ جنگ سے فارغ ہوئے اور مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے جو انہوں نے مہاجرین کو عطا فرمائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری ماں (ام انس بن مالک) کو کھجوریں واپس کر دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ایمن کو ان کی جگہ اپنے باغ میں سے کھجوریں عطا کیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ ایثار کا معنی ہے کسی غیر کو اپنی ذات اور نفس کے دنیاوی فوائد پر مقدم کرنا اور دینی منافع کی خواہش رکھنا۔ یہ چیز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مضبوط یقین، قوی محبت اور مشقت پر صبر کی صلاحیت موجود ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: آثرتہ بکذا میں نے اسے اس کے ساتھ خاص کیا اور اسے فضیلت دی۔ ایثار کا مفعول یہاں محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوئی یوثرونہم منازلھم وہ اپنے اموال اور اپنے گھروں کے بارے میں انہیں اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ خود غنی

ہیں بلکہ انہیں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے جس طرح اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ امام مالک کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک سائل نے سوال کیا جبکہ وہ روزے سے تھیں، آپ کے گھر میں صرف ایک روٹی موجود تھی۔ آپ نے اپنی لونڈی سے فرمایا: روٹی اسے دے دو۔ اس نے عرض کی: آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ آپ روزہ افطار کریں گی۔ فرمایا: روٹی اسے دے دو۔ لونڈی نے کہا: میں نے اسی طرح کیا۔ اس نے کہا: جب ہم نے شام کی تو کسی گھر والے یا کسی انسان نے ہمارے لیے وہ ہدیہ بھیجا جو وہ بھیجا کرتا تھا، یعنی بکری کا بھنا ہوا گوشت جسے روٹیوں میں لپیٹا گیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا فرمایا: اس سے کھاؤ یہ تیری اس روٹی سے بہتر ہے۔

ہمارے علماء نے کہا: یہ نفع مند مال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑھنے والا فعل ہے، جتنا چاہتا ہے جلدی بدلہ دے دیتا ہے اور اس کے لیے آخرت میں جو ذخیرہ کیا ہوا ہے اس میں سے کوئی کمی نہیں کرتا۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز کو چھوڑتا ہے تو اس کو ناپید ہونے والا نہیں پاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے اس فعل کی وجہ سے ان لوگوں میں شامل ہو گئی ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے کہ خود انہیں ایک چیز کی سخت ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود وہ دوسرے لوگوں پر اپنی ذات کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس نے یہ عمل کیا تو اس نے اپنے آپ کو نفس کے بخل سے بچالیا اور کامل کامیابی حاصل کر لی اس کے بعد اس کے لیے کوئی خسارہ نہیں۔

شاۃ وکفنھا کا معنی ہے تمام عرب، بعض عرب یا ان میں سے بعض رؤساء کا یہ کھانا ہوا کرتا تھا۔ وہ بکری یا بکرے کے بچہ کی جلد جب اتار لیتے تو گندم کا آٹا اس پر مل دیتے اور کوئی حصہ خالی نہ چھوڑتے۔ پھر اسے تنور میں لٹکا دیتے اس کی چربی اسی آٹے میں ہی رہتی۔ یہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ کھانا شمار ہوتا تھا۔

امام نسائی نے حضرت نافع سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے اور انگور کی خواہش کی۔ ایک درہم میں ان کے لئے انگور کا گچھا خریدا گیا۔ ایک مسکین آیا اس نے سوال کیا۔ فرمایا: گچھا اسے دے دو۔ ایک آدمی اس کے پیچھے گیا اس نے وہ انگور کا گچھا اس سے ایک درہم میں خریدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں لایا۔ سائل نے ارادہ کیا کہ وہ لوٹے تو اسے روک دیا گیا۔ اگر حضرت ابن عمر کو اس بات کا علم ہو جاتا کہ یہ وہی گچھا ہے تو اسے نہ کھاتے کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جائے تو آپ اس کی طرف نہ لوٹتے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک نے ذکر کیا کہ محمد بن مطرف، ابو حازم سے وہ عبدالرحمن بن سعید بن یربوع سے وہ مالک الدار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار لیے انہیں ایک تھیلی میں رکھا پھر غلام سے کہا: یہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے پاس لے جاؤ، پھر کسی بہانے سے وہاں ٹھہر جانا تاکہ دیکھو آپ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ غلام وہ تھیلی لے کر وہاں گیا۔ عرض کی: حضرت امیر المومنین کہتے ہیں انہیں اپنی ضرورت کے لئے خرچ کرو۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر رحم کرے پھر فرمایا: اے بچی! یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ اور یہ پانچ فلاں کو دے آؤ یہاں تک کہ انہیں خرچ کر دیا۔ غلام حضرت عمر کے پاس واپس آیا تو سب واقعہ عرض کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا کہ آپ نے

اسی کی مثل دینار حضرت معاذ کے لئے شمار کر رکھے ہیں۔ فرمایا: یہ دینار حضرت معاذ بن جبل کے پاس لے جاؤ اور وہاں بہانے سے کچھ دیر ٹھہرنا تاکہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ غلام وہ مال لے کر ان کے پاس گیا۔ عرض کی: امیر المومنین فرماتے ہیں انہیں اپنی کسی ضرورت میں خرچ کرو۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ فرمایا: اے بچی! اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ، اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کی اطلاع ہوئی عرض کی اللہ کی قسم! ہم مساکین ہیں ہمیں بھی کچھ دو اس تھیلی میں صرف دو دینار باقی تھے وہ دونوں آپ نے اسے دے دیئے غلام حضرت عمر کی طرف واپس لوٹا اور سب واقعہ بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے خوش ہوئے۔ فرمایا: وہ سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

اس کی مثل واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ کا بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں مال بھیجا جس کی تعداد دس ہزار دینار تھی حضرت منکدر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے .....

اگر یہ سوال کیا جائے: انسان جتنے مال کا مالک ہو تمام مال صدقہ کرنے سے نہی وارد ہوئی ہے اور اس کے بارے میں صحیح احادیث ہیں۔ اس کی خدمت میں عرض کی جائے گی: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جسے فقر کے عالم میں صبر پر اعتماد نہ ہو اور جب ضروریات کے لیے مال نہ پائے تو سوال کرنے کا خوف ہو۔ جہاں تک انصار کا تعلق ہے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں تو وہ اس صفت کے حامل نہیں بلکہ وہ اس طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ (البقرہ: 177) ان کے بارے میں ایثار مال روکنے سے بہتر ہے اور جو آدمی صبر نہ کرے اور سوال کے لیے ہاتھ پھیلائے تو اس کے لیے ایثار کی بجائے مال روک لینا افضل ہے۔

روایت بیان کی جاتی ہے: ایک آدمی ایک انڈے کے برابر سونا لے کر حاضر ہوا۔ عرض کی: یہ صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینکا فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایک وہ تمام مال لے آتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے، اُسے صدقہ کرتا ہے پھر لوگوں سے سوال کرنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے'' (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ذات کی قربانی مال کی قربانی سے بڑھ کر ہے اگرچہ وہ آخر کار نفس کی طرف ہی طرف لوٹ آئے مشہور و معروف ضرب الامثال میں سے یہ ہے: والجُودُ بالنفس أقصى غاية الجُود ذات کی سخاوت سب سے بڑی سخاوت ہے۔ محبت کی تعریف میں صوفیاء کی عمدہ عبارات ہیں وہ یہ کہ یہ بھی ایثار ہے کیا تم نہیں دیکھتے جب عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اپنی قربت پر آپ کو ترجیح دی کہا: أنا راودته عن نفسه میں نے اسے اپنے بارے میں بہلانا چاہا۔ اپنی ذات کی سخاوت میں سے سب سے افضل سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں سخاوت ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ (احد) کے موقع پر اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بنایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھانکتے تھے تاکہ قوم کو دیکھیں تو حضرت ابو طلحہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نہ جھانکیے کہیں وہ آپ کو تیر ہی نہ مار دیں میری گردن حاضر ہے نہ کہ آپ کی گردن، تیر مجھے لگے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے

1۔ سنن ابی داود، کتاب الزکوۃ، باب عطیۃ من سأل بانہ، حدیث نمبر 1425-1427، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا تو ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔

حضرت حذیفہ عدوی نے کہا: میں جنگ یرموک کے موقع پر اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا، میرے پاس کچھ پانی تھا۔ میں کہہ رہا تھا: اگر اس میں زندگی کی رمق ہوئی تو میں اسے پانی پلاؤں گا، اچانک میں اس کے پاس تھا۔ میں نے کہا: میں تجھے پانی پلاؤں؟ اس نے سر سے اشارہ کیا: ہاں، تو اچانک میں ایک ایسے آدمی کو پاتا ہوں جو آہ آہ کہہ رہا ہے۔ میرے چچازاد بھائی نے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کی طرف جاؤ (میں اس کی طرف گیا) تو وہ فوت ہو چکا تھا میں واپس ہشام کی طرف آیا تو وہ بھی فوت ہو چکا تھا، میں اپنے چچازاد بھائی کی طرف لوٹا تو وہ بھی فوت ہو چکا تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مجھ پر کبھی کوئی آدمی اس طرح غالب نہیں آیا جس طرح بلخ کا ایک نوجوان مجھ پر غالب آیا۔ وہ حج کے ارادہ سے ہمارے پاس آیا۔ اس نے پوچھا: اے ابایزید! تمہارے نزدیک زہد کی کیا تعریف ہے؟ میں نے کہا: اگر ہم کوئی چیز پاتے ہیں تو کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں۔ اس نے کہا: ہمارے ہاں بلخ کے کتوں کی یہی صورتحال ہے۔ میں نے پوچھا: تمہارے نزدیک زہد کی کیا تعریف ہے؟ اس نے کہا: اگر ہم نہ پائیں تو شکر کرتے ہیں اور اگر ہم کوئی چیز پائیں تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں (1)۔ حضرت ذوالنون مصری سے پوچھا گیا: وہ زاہد جسے انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا: تین چیزیں، جمع شدہ چیز کو تقسیم کر دینا، مفقود چیز کی طلب کو ترک کرنا اور روزی کے حصول کے وقت دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا۔ ابوالحسن انطاکی سے مروی ہے: رے کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات میں ان کے پاس تیس سے زائد آدمی جمع ہو گئے۔ ان کے پاس چند روٹیاں تھیں جو سب کو سیر نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے روٹیوں کے ٹکڑے کیے، چراغ کو گل کر دیا اور کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ جب کھانے کو اٹھایا گیا تو کھانا اسی طرح تھا۔ اس کھانے میں سے کسی نے بھی کوئی چیز نہ کھائی تھی، مقصد دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا تھا۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ خَصَاصَةٌ سے مراد ایسی حالت ہے جس کی وجہ سے اموال میں خلل واقع ہو جائے۔ اس کی اصل اختصاص ہے اس سے مراد کسی امر کے لیے خاص ہونا۔ خَصَاصَةٌ کا معنی ہوا حاجت میں منفرد ہونا یعنی اگرچہ انہیں فاقہ اور حاجت لاحق ہو؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

أما الربيع إذا تكون خصاصة

جہاں تک ربیع کا تعلق ہے جب اسے حاجت لاحق ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ شح اور بخل دونوں برابر ہیں، رجل شحیح جس کا بخل واضح ہو اس کے لیے شح، شحاح اور شحاحہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے: عمرو بن کلثوم نے کہا:

ترى اللحز الشحيح تو انتہائی بخیل کو دیکھے گا۔

بعض اہل لغت نے شح کو بخل سے بھی زیادہ شدید قرار دیا ہے۔ صحاح میں ہے: شح سے مراد بخل کے ساتھ حرص مراد

1۔ المحرر الوجیز

ہے۔ تو کہتا ہے: شَحِحْتَ، تَشَحُّ، شَحَحْتَ، تَشُحُّ، تَشِحُّ، رَجُلٌ شَحِيحٌ، قومٌ شِحاح، قوم أشِحَّة۔

آیت سے مراد ہے زکوٰۃ میں بخل کرنا اور ذوی الارحام کے ساتھ صلہ رحمی اور ضیافت وغیرہ جو فرض نہیں ان میں بخل کرنا۔ جو آدمی ان مصارف پر مال خرچ کرے اور اپنے لیے بھی کچھ روک لے تو وہ شحیح اور بخیل نہیں اور جو آدمی اپنی ذات پر زیادہ خرچ کرے اور ہم نے زکوٰۃ اور طاعات میں سے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں خرچ نہ کرے تو اس نے اپنے آپ کو بخل سے نہیں بچایا۔

اسود نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ پوچھا: کیا بات ہے؟

اس نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں ایک بخیل آدمی ہوں، میں اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں نکالتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ شح نہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا ہے۔ بے شک وہ شح جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا مال ظلماً کھائے، لیکن جس چیز کا تو نے ذکر کیا ہے وہ بخل ہے اور بخل بھی کتنی بری چیز ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شح اور بخل میں فرق کیا ہے؟ طاؤس نے کہا: بخل سے مراد یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس میں بخل کرے اور شح یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو ہے اس کے بارے میں کنجوسی کرے۔ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے حلال وحرام کے طریقہ سے حاصل کرے، وہ اس میں قناعت نہیں کرتا۔

ابن جبیر نے کہا: شح سے مراد زکوٰۃ روک لینا اور حرام چیز کو ذخیرہ کرنا۔ ابن عیینہ نے کہا: شح سے مراد ظلم ہے۔ لیث نے کہا: فرائض کو ترک کرنا اور حرام کردہ چیزوں کو اپنانا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو اپنی خواہش کی اتباع کرے اور ایمان کو قبول نہ کرے وہ شحیح ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع کیا ہو وہ نہ لے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس چیز کا حکم دیا ہے شح اسے اس چیز سے نہ روک سکے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شح سے بچالیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَرِئَ من الشُّحِّ من أدّى الزكاة و قَرَى الضيف وأعطى في النائبة وہ آدمی جس نے زکوٰۃ دی، مہمان کی ضیافت کی اور مصیبت کے وقت کسی کو مال دیا تو وہ شح سے بری ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے۔ اللّٰھُمّ أن اعوذبك من شح نفسی واسرافها ووساوسها۔ اے اللہ! میں اپنے نفس کے شح، اس کے اسراف اور اس کے وساوس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ابو الہیاج اسدی نے کہا: میں نے طواف میں ایک آدمی کو یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا: اے اللہ! مجھے میرے نفس کے شح سے بچا۔ وہ اس سے زیادہ کوئی دعا نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا: جب میں نے اپنے نفس کو شح سے بچالیا تو میں چوری نہیں کروں گا، بدکاری نہیں کروں گا اور اس جیسا کوئی فعل نہیں کروں گا۔ کیا دیکھتا ہوں وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ہیں۔

میں کہتا ہوں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات یوم القیامة واتقوا الشح

فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم تاریکیاں ہوں گے، شح سے بچو کیونکہ شح نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے پہلے تھے اس نے لوگوں کو برانگیختہ کیا کہ وہ اپنے خونوں کو بہائیں اور اپنی محارم کو حلال جانیں۔ ہم نے اس کی وضاحت سورۂ آل عمران کے آخر میں کی ہے۔ کسریٰ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا: انسان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: فقر و تنگدستی۔ کسریٰ نے کہا: شح فقر سے زیادہ نقصان دینے والی ہے کیونکہ فقیر جب کوئی چیز پاتا ہے تو سیر ہو جاتا ہے اور شحیح جب پاتا ہے تو کبھی بھی سیر نہیں ہوتا۔

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مراد تابعین اور قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: لوگوں کے تین درجے ہیں (۱) مہاجرین (۲) انصار جن کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ۔ (۳) بعد کے مومنین جو قیامت تک آئیں گے جن کا ذکر وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ کے ساتھ کیا گیا ہے، اس لیے کوشش کرو کہ ان سے باہر نہ نکلو۔ کسی نے کہا: سورج بنو، اگر تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو چاند بنو، اگر یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو روشن ستارہ بنو۔ اگر تم یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو چھوٹا ستارہ بن جاؤ اور نور کی جہت ختم نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا معنی ہے مہاجر ہی بن جاؤ۔ اگر تو کہے: میں تو ایسا موقع نہیں پاتا تو انصاری بن جاؤ اگر تم یہ بھی نہ پاؤ تو ان کے اعمال جیسے اعمال کرو، اگر یہ بھی طاقت نہ رکھو تو ان سے محبت کرو اور ان کے حق میں بخشش طلب کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے۔

حضرت مصعب بن سعد نے کہا: لوگوں کی تین منازل ہیں دو منزلیں گزر چکی ہیں اور ایک منزل باقی ہے جس پر تم ہو اس میں بہترین یہ ہے کہ جو منزل باقی ہے تم اسی منزل پر رہو۔

جعفر بن محمد بن علی اپنے باپ سے وہ اپنے دادا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ حضرت عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے اسے فرمایا: اے بھائی! تو اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ اس نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اگر تو اس آیت کا مصداق نہیں تو ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ اس نے عرض کی: نہیں، فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو تیسری آیت کا مصداق بھی نہ بنے تو تم اسلام سے خارج ہو جاؤ گے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا

الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عراق کے چند لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کیا پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی برا بھلا کہا اور حد سے تجاوز کیا۔ آپ نے انہیں فرمایا: کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، پوچھا: کیا تم انصار میں سے ہو جنہوں نے دار ہجرت کو پہلے ہی ٹھکانہ بنایا ہوا تھا، انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا: تم ان دونوں جماعتوں سے نہ ہونے کا اعلان کر چکے ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝ اٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل ورسوا کرے (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت صحابہ کرام کی محبت کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ ان کے بعد جو لوگ بھی ہوں گے مال فئی میں ان کا حصہ اس صورت میں ہے جب تک وہ لوگ صحابہ کی محبت، ان کی حمایت اور بخشش طلب کرنے پر قائم رہیں گے جس نے ان سب کو گالیاں دیں یا ان میں سے ایک کو گالیاں دیں یا ان میں کسی شر کا اعتقاد رکھا تو مال فئی میں ان کا کوئی حق نہیں؛ یہی چیز امام مالک اور دوسرے علماء سے بھی مروی ہے۔ امام مالک نے کہا: جو آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی سے بھی بغض رکھتا ہے یا اس کے دل میں ان کے بارے میں کوئی کینہ ہے تو مسلمانوں کے مال فئی میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں، پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علماء کے اقوال میں سے صحیح یہ ہے کہ منقولہ اموال کو تقسیم کر دیا جائے اور جائیداد اور زمین کو تمام مسلمانوں کی ضروریات کے لیے باقی رکھا جائے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا مگر یہ کہ والی اجتہاد کرے، وہ امر نافذ کرے اور اس کا عمل اس میں جاری وساری ہو جائے کیونکہ لوگوں کا اس میں اختلاف تھا یہ آیت اس بارے میں فیصلہ کرنے والی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فئی کے بارے میں خبر دی اور اسے تین طائفوں کے لیے بنایا، مہاجرین، انصار، یہ تو معلوم ومشہور ہیں، وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ یہ آیت تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے عام ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف تشریف لے گئے، فرمایا: السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددت أن رأیت إخواننا، اے مومن قوم کے گھر (والو!) تم پر سلام ہو ہم ان شاء اللہ تمہیں لاحق ہونے والے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا: بلکہ تم میرے صحابہ ہو ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے میں حوض پر پہلے جا کر ان کا انتظام کرنے والا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ ان کے بھائی وہ ہیں جو ان کے بعد آئیں گے (3)۔ بات اس طرح نہیں جس طرح

1۔ غیر راوتیۃ 2۔ احکام القرآن لابن العربی 3۔ ایضاً

سدی اور کلبی نے کہی کہ جنہوں نے اس کے بعد ہجرت کی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے مراد ہے جس نے ہجرت کے ختم ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کا قصد کیا اور مدینہ آیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ يَقُوْلُوْنَ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ اس میں دو وجوہ ہیں۔ (۱) انہیں حکم دیا گیا کہ اہل کتاب میں سے جو جو مومن اس امت سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے لیے بخشش طلب کرو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ ان کے لیے بخشش کے طلب گار ہوں تو انہوں نے ان کو گالیاں دیں۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مہاجرین وانصار میں سے اولون ساتھیوں کے لیے بخشش طلب کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صحابہ کے لیے بخشش طلب کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انہیں آزمائش میں ڈالا جائیگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تمہیں تو یہ حکم دیا گیا کہ تم حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کے لیے بخشش طلب کرو تو تم نے انہیں گالیاں دیں۔ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''یہ امت ہلاک نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کے بعد والا پہلے والے کو لعنت کرے گا''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو: اللہ تعالیٰ تم میں سے سب سے شریر پر لعنت کرے''۔ عوام بن حوشب نے کہا: میں نے اس امت کے متقدمین کو پایا وہ کہتے: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے محاسن بیان کرو تاکہ تمہارے دل ان سے محبت کرنے لگیں اور ان کے درمیان جو تنازعات پیدا ہوئے ان کا ذکر نہ کرو کہ تم لوگوں کو بھی ایسی باتیں کرنے پر جری بنا دو گے۔ شعبی نے کہا: یہ یہودی اور نصاریٰ، رافضیوں پر ایک خصلت میں فضیلت رکھتے ہیں۔ یہودیوں سے پوچھا جائے: تمہاری ملت میں سے سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ وہ کہتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ۔ نصاریٰ سے پوچھا جائے: تمہاری ملت میں سے سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ۔ رافضیوں سے پوچھا جائے: تمہاری ملت میں سے سب سے برے کون ہیں؟ وہ کہیں گے: حضرت محمد ﷺ کے صحابہ۔ لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں تو رافضیوں نے انہیں برا بھلا کہا۔ قیامت تک ان پر تلوار سونتی جاتی رہے گی نہ ان کے لیے جھنڈا قائم ہوگا اور نہ ان کے قدم ثابت ہوں گے اور نہ ان کی جمعیت اکٹھی ہو گی۔ جب وہ جنگ کی آگ بھڑکائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے خون بہانے اور ان کی حجت کو پست کرنے کے ساتھ اسے بجھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں گمراہ کن خواہشات سے محفوظ رکھے۔ غل سے مراد کینہ اور حسد ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○

''کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے

بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں''۔

منافقوں نے یہودیوں کے ساتھ مدد کا جو وعدہ کیا اس سے یہودیوں کے دھوکہ کھانے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ منافق نہ کسی دین پر اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی کتاب پر اعتقاد رکھتے ہیں ان منافقین میں سے عبداللہ بن ابی سلول، عبداللہ بن نبتل اور رفاعہ بن زید تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رافعہ بن تابوت اور اوس بن قیظی تھے۔ وہ انصار میں سے تھے لیکن انہوں نے منافقت کی اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے کہا: لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قول بنو نضیر نے بنو قریظہ سے کیا تھا۔ اور وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا میں احد سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی ہم تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس میں علم غیب کی جہت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت پر دلیل موجود ہے کیونکہ یہودیوں کو نکالا گیا اور منافقین نہ نکلے ان کے ساتھ جنگ کی گئی اور منافقین نے ان کی مدد نہ کی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں جھوٹے ہیں۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

''(سن لو) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر ان کے ساتھ جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی''۔

یعنی وہ شکست کھا کر پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خوشی خوشی ان کی مدد نہ کریں گے۔ اگر وہ مجبوراً مدد کریں بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کی ہمیشہ مدد نہیں کریں گے۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب دونوں ضمیروں کا مصداق ایک ہو۔ اگر مصداق مختلف ہو تو اس کا معنی ہے اگر یہودیوں نے منافقین کی مدد کی تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بھی تھا کہ اگر ان سے قتال کیا گیا ہے تو منافق ان کی مدد نہ کریں گے۔ پھر فرمایا: لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ تو یہ گفتگو اس انداز میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام:28) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ یعنی اگر ہم چاہیں کہ وہ ان کی مدد کریں تو یہ امر ہم ان کے لیے مزین کر دیں گے لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اے فرزندان اسلام! ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے، یہ اس لیے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں''۔

لَاَنْتُمْ یعنی اے مسلمانوں کی جماعت! اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ تم بنو نضیر کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ہیبت والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافقین کے سینوں میں تم زیادہ ہیبت والے ہو۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ ھم ضمیر دونوں جماعتوں کے لیے ہو یعنی یہ دونوں طبقات اللہ تعالیٰ کی نسبت تم سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۝ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کی قدر نہیں سمجھتے۔

لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ۝

"(یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں"۔

لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا واؤ ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔ اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ وہ دیواروں اور گھروں کی اوٹوں میں رہتے ہوئے تم سے جنگ کریں گے وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں انہیں تم سے محفوظ رکھیں گی۔ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ یا دیواروں کے پیچھے سے وہ بزدلی اور خوف کی وجہ سے ان کے پیچھے چھپے ہیں۔ عام قراءت جُدُرٍ ہے جو جمع کا صیغہ ہے؛ یہ ابو عبیدہ اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ کی طرح ہے۔ اور قری جمع کا صیغہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابن کثیر، ابن محیصن اور ابو عمرو نے جدار واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مکہ کے ایک قاری نے اسے جدر پڑھا ہے یہ بھی جدار میں ایک لغت ہے یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہو وہ اپنے باغوں اور درختوں کی اوٹ سے لڑیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجدر النخل جب موسم بہار میں کھجور کی کونپلیں پھوٹیں جدر سے مراد بوٹی ہے اس کی واحد جدرة ہے اسے جدر پڑھا گیا ہے۔ جو جدار کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے واحد میں الف اس طرح ہو جس طرح کتاب میں الف ہے اور جمع میں الف اس طرح ہے جس طرح ظراف میں الف ہے۔ اس کی نقل ناقة هَجانٌ و نوقٌ هِجَانٌ ہے کیونکہ تثنیہ میں هجانان ہے پھر واحد اور جمع کا لفظ لفظاً ایک دوسرے کے مشابہ اور معنی میں مختلف ہیں؛ یہ ابن جنی نے قول کیا ہے۔

بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ یعنی ان کی ایک دوسرے کے حق میں عداوت شدید ہے۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے وہ سخت گفتگو کرتے ہیں اور یوں دھمکیاں دیتے ہیں: لنفعلن کذا سدی نے کہا: مراد ان کے دلوں کا اختلاف ہے وہ ایک امر پر متفق نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب دشمن سے ملاقات نہیں ہوتی تو وہ اپنے آپ کو شدت اور باس کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو شکست کھا جاتے ہیں۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی مراد یہود و منافقین ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد منافقین ہیں۔ ثوری نے کہا: مراد مشرک اور اہل کتاب ہیں۔ قتادہ نے کہا: تم ان کے بارے میں گمان کرو گے کہ وہ ایک امر اور رائے پر مجتمع ہیں جبکہ ان کے دل مختلف ہیں۔ اہل باطل کی آراء مختلف ہیں ان کی شہادتیں مختلف ہیں، ان کی خواہشات مختلف ہیں اور

وہ اہل حق کی عداوت میں مجتمع ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: یہ ارادہ کیا کہ منافقین کا دین، یہودیوں کے دین کے خلاف ہے۔ یہ اس لیے واضح کیا تا کہ ان کے خلاف مومنوں کے دل قوی ہو جائیں؛ شاعر نے کہا:

ھی الیوم شتّٰی و ھی أمس جُمّع

وہ آج مختلف ہے اور وہ کل مجتمع تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں وقلوبھم اشت ہے یعنی ان کے دل اختلاف میں بہت شدید ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۝ ان میں یہ اختلاف اور کفر اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے، اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے امر کو نہیں سمجھتے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝

''یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنو قینقاع ہیں۔ قتادہ نے کہا: مراد بنو نضیر ہیں (1)۔ بنو قریظہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان پر قدرت عطا فرمائی۔ مجاہد نے کہا: غزوہ بدر کے موقع پر قریش کے کفار مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ہر اس قوم کے بارے میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بنو نضیر سے قبل اس کے کفر کی وجہ سے انتقام لیا۔ وبال کا معنی ان کے کفر کی جزا ہے۔ جس نے کہا: وہ بنو قریظہ ہیں تو اس نے وَبَالَ اَمْرِهِمْ کی تعبیر ان کے بارے میں حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نیچے آنا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے ان کے جنگجو افراد کو قتل کرنے اور ان کے بچوں کو قیدی بنا لینے کا حکم دیا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ جس نے کہا: مراد بنو نضیر ہیں اس نے کہا: وبال سے مراد ان کی جلا وطنی ہے، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے واقعہ کے درمیان دو سال کا عرصہ حائل تھا۔ غزوہ بدر کا واقعہ غزوہ بنو نضیر سے چھ ماہ پہلے ہوا تھا؛ اسی وجہ سے فرمایا: قَرِيْبًا ایک قوم کا کہنا ہے کہ بنو نضیر کا واقعہ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ۝

''منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے: انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے: میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ پھر ان دونوں

1۔ تفسیر بغوی

(شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے اور یہی ظالموں کی جزا ہے"۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ یہ منافقوں اور یہودیوں کے لیے ضرب المثل ہے کہ وہ بے یارومددگار چھوڑ دیتے ہیں اور مدد کے وعدہ کو پورا نہیں کرتے (1)۔ حرف عطف کو حذف کیا کمثل الشیطان نہیں کہا کیونکہ حرف عطف اکثر حذف ہوتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: أنت عاقل. أنت کریم. أنت عالم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ انسان جسے شیطان نے کہا تھا تو کفر کر وہ ایک راہب تھا اس کے ہاں ایک عورت چھوڑ دی گئی جس کو سایہ کا مرض تھا تا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے۔ شیطان نے اس راہب کے لیے اس عمل کو مزین کیا تو راہب نے اس عورت سے وطی کی تو وہ عورت حاملہ ہوگئی پھر شرمندگی سے بچنے کے لیے اس عورت کو قتل کر دیا۔ شیطان نے اس کی قوم کو اس عورت کی میت کی جگہ سے آگاہ کر دیا، وہ لوگ آئے انہوں نے راہب کو نیچے اتارا تا کہ اسے قتل کریں۔ شیطان اس راہب کے پاس آیا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے سجدہ کرے تو وہ لوگوں سے اسے بچا لے گا۔ اس راہب نے اس کے سامنے سجدہ کیا تو شیطان نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا اور اسے ان کے سپرد کر دیا"۔ اس روایت کو اسماعیل اور علی بن مدینی نے سفیان بن عیینہ سے وہ عمرو بن دینار سے وہ عروہ بن عامر سے وہ حضرت عبید بن رفاعہ زرقی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ نے تفصیلاً ذکر کیا ہے، الفاظ مختلف ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ راہب فترہ کے دور میں تھا جسے برصیصا کہتے۔ اس نے اپنی عبادت گاہ میں ستر سال تک عبادت کی اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی یہاں تک کہ اس نے ابلیس کو بھی بے بس کر دیا۔ ابلیس نے سرکش شیاطین کو جمع کیا اس نے کہا: کیا میں تم میں سے ایک بھی ایسا نہیں پاتا جو برصیصا کے معاملہ میں مجھے کافی ہو؟ ابیض نے کہا: جو انبیاء کو آزمائش میں ڈالنے کی کوشش کرتا یہی وہ شیطان تھا جس نے جبریل امین کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی تاکہ وحی کی صورت میں وسوسہ اندازی کرے۔ حضرت جبریل امین حاضر ہو گئے اور دونوں کے درمیان آ گئے پھر اس شیطان کو ہاتھ سے دھکا دیا یہاں تک کہ وہ ہند کے دور دراز علاقہ میں جا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ (التکویر) میں اسی قوت کی طرف اشارہ ہے۔ ابیض نے کہا: میں اس راہب کو تیری طرف سے کافی ہوں، وہ گیا راہبوں کا لباس پہنا، سر کے درمیان سے حلق کرایا یہاں تک کہ برصیصاء کی عبادت گاہ کے پاس آیا۔ ابیض نے برصیصاء کو ندا دی تو برصیصاء نے اس ابیض شیطان کو کوئی جواب نہ دیا وہ اپنی عبادت میں وقفہ نہیں کرتا تھا مگر دس دنوں میں سے ایک دن وقفہ کرتا اور دس دنوں میں سے ایک دن روزہ افطار کرتا۔ وہ دس دن، بیس دن اور اس سے زیادہ دن صوم وصال رکھتا۔ جب ابیض نے یہ دیکھا کہ وہ اسے کوئی جواب نہیں دے رہا تو وہ بھی برصیصاء کی عبادت گاہ کے نیچے والے حصہ میں عبادت کرنے لگا جس روز برصیصا نے نماز میں وقفہ کیا تو اس نے ابیض کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر عبادت کر رہا

1۔ تفسیر بغوی

ہے اور راہبوں کی بہت ہی اچھی حالت میں ایسا کر رہا ہے تو اس نے اس امر پر شرمندگی کا اظہار کیا کہ اس نے اسے اس وقت کوئی جواب نہ دیا تھا جب اس نے اسے بلایا تھا۔ برصیصاء نے پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں اور تیرے ادب سے ادب سیکھنا چاہتا ہوں اور تیرے عمل سے اقتباس فیض کرنا چاہتا ہوں اور ہم اکٹھے عبادت کریں گے۔ برصیصاء نے کہا: میں تجھ سے اعراض کرنے والا ہوں۔ پھر اپنی عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا اور ابیض بھی نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب برصیصاء نے اس کی سخت محنت اور عبادت کو دیکھا تو پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: تو مجھے اجازت دے کہ میں تیرے پاس اوپر آ جاؤں۔ برصیصاء نے اسے اجازت دے دی۔ ابیض اس کے ساتھ ایک سال تک رہا۔ وہ چالیس دنوں میں صرف ایک روز افطار کیا کرتا تھا اور چالیس دنوں میں عبادت میں ایک دن وقفہ کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ اس عرصہ کو چالیس روز تک بڑھا دیتا۔ جب برصیصاء نے اس کی محنت کو دیکھا تو اسے اس کے مقابلہ میں اپنا عمل تھوڑا محسوس ہوا۔ پھر ابیض نے کہا: میرے پاس ایسی دعائیں ہیں اللہ تعالیٰ جن کے ذریعے بیمار، ابتلاء زدہ اور مجنون کو شفا عطا فرماتا ہے اور وہ دعائیں برصیصاء کو سکھا دیں۔ پھر ابلیس کے پاس آ گیا۔ اس سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر ایک آدمی سے آمنا سامنا ہوا، اس کا گلا دبایا پھر اس کے گھر والوں سے کہا جب کہ ان کے پاس ایک انسان کی شکل میں آیا: تمہارے ساتھی کو جنون کا مرض ہے کیا میں اس کا علاج کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: جنیہ پر میرا کوئی اختیار نہیں بلکہ تم اسے برصیصاء کے پاس لے جاؤ۔ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جب اس کے واسطہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا کر دیتا ہے اور جب اس کے واسطہ سے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول کرتا ہے۔ لوگ برصیصاء کے پاس آئے تو شیطان اس آدمی کے پاس سے چلا گیا پھر ابیض لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتا اور برصیصاء کی طرف ان کی راہنمائی کرتا اور لوگ اس مصیبت سے نجات پا جاتے۔ پھر وہ بادشاہ کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی تک جا پہنچا جس کے تین بھائی تھے ان کا باپ بادشاہ تھا، وہ خود مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا نائب بنایا ان کا چچا بنی اسرائیل میں بادشاہ تھا۔ ابیض نے اس بچی کو بڑی تکلیف دی اور اس کا گلہ دبایا پھر ایک معالج کی حیثیت سے ان کے پاس آیا تا کہ اس کا علاج کرے، پھر کہا: اس کا شیطان بہت ہی سرکش ہے وہ قابو آنے والا نہیں بلکہ اسے برصیصاء کی طرف لے جاؤ اور اس کے پاس چھوڑ آؤ۔ جب اس کا شیطان آئے گا، برصیصاء اس کے حق میں دعا کرے گا تو وہ لڑکی ٹھیک ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا: برصیصاء ہماری اس بات کو تو قبول نہیں کرتا۔ ابیض نے کہا: اس کی عبادت گاہ کے قریب ایک اور مینارہ بنا دو۔ پھر اس میں اس بچی کو رکھ آؤ اور اسے کہہ آؤ: یہ تیرے پاس امانت ہے اس کا خیال رکھنا۔ لوگوں نے برصیصاء سے پوچھا: اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اس طرح کی عبادت گاہ بنائی اور لڑکی کو وہاں ہی چھوڑ آئے۔ جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہوا اس نے اس لڑکی اور اس کے جمال کو دیکھا تو اس کے ہاتھ میں جو کچھ تھا وہ نیچے گر گیا۔ شیطان اس بچی کے پاس آیا اور اس کے گلے کو دبایا، اس نے عبادت میں وقفہ کیا، اس کے حق میں دعا کی تو شیطان اس کے پاس سے چلا گیا۔ پھر وہ نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شیطان اس کے پاس پھر آیا اور اس کا گلہ دبایا۔ شیطان اس کے ستر سے پردے کو ہٹاتا اور برصیصاء کے سامنے کرتا پھر برصیصا کے پاس

شیطان آیا اور کہا: تو ہلاک ہو، اس سے لطف اٹھا تو اس کی مثل کوئی عورت نہیں پائے گا، پھر توبہ کر لینا۔ شیطان لگا تار اس کے پاس آتا رہا یہاں تک کہ اس نے اس لڑکی سے بدکاری کی وہ لڑکی حاملہ ہو گئی اور اس کا حمل ظاہر ہو گیا۔ شیطان نے اسے کہا: تو ہلاک ہو! تو تو رسوا ہو گیا۔ کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ تو اس کو قتل کرے پھر تو توبہ کر لے اور رسوا نہ ہو۔ اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور تجھ سے سوال کریں تو کہہ دینا: اس کا شیطان اس کے پاس آیا تھا اور اسے لے گیا ہے۔ برصیصاء نے اسے قتل کر دیا اور رات کے وقت دفن کر دیا۔ شیطان نے اس لڑکی کے کپڑوں کی ایک جانب کو پکڑ لیا یہاں تک کہ مٹی میں سے باہر نکال دیا اور برصیصا اپنی عبادت گاہ کی طرف واپس لوٹ آیا۔ پھر شیطان خواب میں اس کے بھائیوں کے پاس آیا اور کہا: برصیصاء نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ عمل کیا ہے پھر اسے قتل کیا اور فلاں فلاں پہاڑ میں اسے دفن کیا ہے۔ انہوں نے اس امر کو عجیب و غریب جانا۔ انہوں نے برصیصاء سے پوچھا: تو نے ہماری بہن کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا: اس کا شیطان اسے لے گیا۔ انہوں نے برصیصاء کی تصدیق کی اور واپس چلے گئے۔ شیطان پھر ان کے پاس نیند میں آیا، اس نے کہا: وہ تو فلاں فلاں جگہ مدفون ہے اور اس کی چادر کی ایک جانب مٹی سے باہر ہے۔ وہ لوگ اس جگہ گئے اور اسے اس طرح پایا۔ انہوں نے برصیصاء کی عبادت گاہ کو گرا دیا، اسے نیچے اتارا اور اس کا گلا دبا دیا اور اسے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ برصیصاء نے اپنے خلاف اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ جب برصیصاء کو سولی پر لٹکایا گیا تو شیطان نے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! کہا: میں وہی تیرا ساتھی ہوں جس نے تجھے دعائیں سکھائی تھیں۔ کہا: تو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرا، کیا تجھے حیا نہ آئی جبکہ تو بنی اسرائیل میں سے سب سے زیادہ عبادت گزار تھا۔ پھر تیرا عمل تجھے کافی نہ ہوا یہاں تک کہ تو نے اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر دیا اور اپنے خلاف اقرار کر لیا اور اپنے جیسے لوگوں کو بھی ذلیل و رسوا کر دیا۔ اگر تو اسی طرح مر گیا تو تیرے بعد تجھ جیسے افراد میں سے کوئی بھی کامیاب نہیں ہو گا۔ برصیصا نے پوچھا: میں کیا کروں؟ اس نے کہا: تو میری ایک بات مان میں تمہیں ان سب سے نجات دلا دوں گا اور ان کی آنکھیں سلب کر لوں گا۔ برصیصا نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابلیس نے کہا: تو مجھے ایک سجدہ کر۔ اس نے کہا: میں ایسا کرتا ہوں۔ برصیصا نے اللہ تعالیٰ کی بجائے اسے سجدہ کیا۔ ابلیس نے کہا: اے برصیصا! میں نے تجھ سے اسی کا ارادہ کیا تیرا انجام یہ ہوا کہ تو نے اپنے رب کا انکار کر دیا، میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار تھا وہ اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ عبادت گزار تھا اس کے زمانہ میں تین بھائی تھے اور ان کی ایک بہن تھی۔ وہ نوجوان بچی تھی، اس کی کوئی اور بہن نہیں تھی۔ تینوں کو ایک فوجی مہم پر جانا پڑا وہ نہیں جانتے تھے کہ اپنی بہن کو کس کے پاس چھوڑ جائیں؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کس کے پاس محفوظ رہے گی اور کس کے پاس سے اسے ضائع کر بیٹھیں گے؟ ان کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ وہ اسے بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار کے پاس چھوڑ جائیں انہیں اس پر اعتماد تھا وہ اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ وہ اپنی بہن کو اس کے پاس چھوڑ جائیں، وہ اس کی عبادت گاہ اور پناہ میں رہے گی یہاں تک کہ وہ جنگ سے واپس آ جائیں۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ان سے اور ان

1۔ تفسیر بغوی

کی بہن سے اللہ کی پناہ چاہی وہ لگا تار اس سے مطالبہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے ان کی بات مان لی۔ اس نے کہا: میری عبادت گاہ کے سامنے والے کمرے میں اسے ٹھہرا جاؤ۔ انہوں نے اسے اس کمرہ میں ٹھہرا دیا پھر وہ چلے گئے اور اسے وہاں چھوڑ دیا۔ وہ ایک زمانہ تک اس عبادت گزار کی پناہ گاہ میں رہی وہ اپنی عبادت گاہ سے اس کے لیے کھانا لاتا، اسے عبادت گاہ کے دروازہ پر رکھتا پھر دروازہ بند کر دیتا اور اپنی عبادت گاہ پر چلا جاتا، پھر اسے حکم دیتا وہ اپنے کمرے سے نکلتی تو اس کے لیے جو کھانا رکھا ہوتا اسے لے لیتی۔ شیطان نے اس کے ساتھ لطیف حیلہ کیا وہ اسے بھلائی کی رغبت دلاتا اور بچی کے لیے دن کے وقت گھر سے نکلنے کو بہت برا خیال کرتا اور اسے ڈراتا کہ کوئی اسے دیکھ ہی نہ لے اور اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ وہ ایک زمانہ تک اسی خیال میں رہا۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے بھلائی اور اجر میں رغبت دلائی اسے کہا: اگر تو خود اس کی طرف کھانا لے جائے یہاں تک کہ تو خود کھانا اس کے کمرے میں رکھ آئے تو یہ تیرے لیے بڑے اجر کا باعث ہو گا۔ وہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ کھانا اس کے کمرے تک لے گیا اور کھانا اس کے کمرے میں رکھ آیا۔ وہ کافی عرصہ سے یہی کام کرتا رہا پھر اس کے پاس ابلیس آیا، اسے بھلائی کی طرف رغبت دلائی اور اسے اس پر برانگیختہ کیا اور کہا: اگر تو اس کے ساتھ کلام کرتا اور وہ تیری گفتگو سے مانوس ہوتی کیونکہ اسے سخت تنہائی کا سامنا ہے۔ وہ اس طرح کرتا رہا وہ اپنی عبادت گاہ سے اس پر جھانکتا پھر ابلیس اس کے پاس آیا کاش! تو اس کی طرف اترتا تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر بیٹھتا اور تو اس سے بات کرتا اور وہ اپنے کمرے کے دروازے پر بیٹھتی تو یہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہوتا۔ وہ اس طرح باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ اسے نیچے اتارا اور اسے اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر لا بٹھایا وہ اس لڑکی کے ساتھ باتیں کرتا، وہ لڑکی اپنے کمرے سے نکلتی وہ طویل عرصہ تک اسی طرح باتیں کرتے رہے، پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے خیر و ثواب کی رغبت دلائی جو وہ اس لڑکی کے ساتھ حسن عمل کر سکتا تھا اور کہا: اگر تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ سے نکلے اور اس لڑکی کے کمرہ کے دروازہ کے قریب بیٹھے تو وہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہو گا، وہ اسی طرح راغب کرتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے یہ عمل بھی کیا۔ وہ طویل عرصہ تک اسی طرح رہے۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے بھلائی کی رغبت دلائی اور جو وہ احسان اس لڑکی کے ساتھ کر رہا ہے اس کے حسن ثواب کا ذکر کیا اور اس سے کہا: اگر تو اس کے کمرے کے دروازے کے قریب چلا جائے اور وہ اپنے کمرے سے نہ نکلے۔ اس عبادت گزار نے اسی طرح کیا وہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اترتا اس کے کمرے کے دروازے پر بیٹھتا اور اس سے باتیں کرتا۔ وہ دونوں اسی حالت میں رہے اس کے پاس پھر ابلیس آیا کہا: اگر تو اس کے کمرے میں داخل ہو اور اس سے باتیں کرے اور وہ لڑکی کسی کے لیے بھی اپنا چہرہ ظاہر نہ کرے تو یہ تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ وہ اسی طرح وسوسہ ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ گھر میں داخل ہو گیا، وہ سارا سارا دن اس سے باتیں کرتا رہا، جب شام ہوتی وہ اپنی عبادت گاہ میں چلا جاتا۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا وہ لگا تار اس لڑکی کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا یہاں تک کہ عبادت گزار نے اس کی ران پر ہاتھ مارا اور اس کا بوسہ لیا۔ ابلیس لگا تار اسے مزین کر کے پیش کرتا رہا اور ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے اس کے ساتھ بدکاری کی اور اس لڑکی کو حمل ہو گیا تو اس کا لڑکا پیدا ہو گیا۔ ابلیس اس کے پاس آیا اسے کہا: بتا اگر اس لڑکی کے بھائی

تیرے پاس آئے جبکہ اس لڑکی نے تجھ سے یہ بچہ جنا ہے تو تو کیا کرے گا؟ مجھے تو خوف ہے کہ تو رسوا ہو جائے گا۔ اس کے بیٹے کی طرف اٹھو اسے ذبح کر دو اور اسے دفن کر دو۔ یہ اپنے بھائیوں کے ڈر سے تیرا راز مخفی رکھے گی کہ جو کچھ تو نے اس کے ساتھ کیا ہے وہ اس پر مطلع ہوں۔ اس نے اسی طرح کیا، پھر اسے کہا: کیا تیرا خیال ہے کہ یہ اس راز کو اپنے بھائیوں سے مخفی رکھے گی جو تو نے اس کے ساتھ کیا اور اس کے بیٹے کو قتل کیا؟ اسے پکڑ لے اسے ذبح کر دے اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے بھی دفن کر دے۔ شیطان لگاتار اسے ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اسے بھی ذبح کر دیا اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے گڑھے میں پھینک دیا اور اس پر بہت بڑی چٹان ڈال دی اور اپنے گرجے میں عبادت کرنے لگا۔ وہ اس میں اس طرح رہا جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رہے یہاں تک کہ اس کے بھائی جنگ سے واپس آئے وہ اس کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سوال کیا۔ راہب نے اس کی خبر دی اور اس کے لیے دعا کی اور ان کے لیے رویا اور کہا: وہ بہت اچھی بچی تھی، یہ اس کی قبر ہے اسے دیکھ لو۔ بھائی قبر پر آئے اور اس کی قبر پر روئے اور اس کے لیے رحم کی دعا کی، چند روز اس کے قبر پر رہے پھر اپنے گھر چلے گئے۔ جب رات تاریک ہوگئی اور اپنے بستروں پر سوئے تو شیطان ان کے پاس ایک مسافر کی صورت میں آیا۔ ان میں سے بڑے سے ان کی بہن کے بارے میں پوچھا۔ اس نے عابد کے قول، اس کی موت اور دعا کے بارے میں بتایا اور جس طرح اس نے انہیں قبر دکھائی سب کا ذکر کیا۔ شیطان نے اسے جھٹلایا، کہا: اس نے تم سے تمہاری بہن کے بارے میں سچ نہیں بولا۔ اس نے تمہاری بہن کو حاملہ کیا اور اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا اس نے بچے اور اس لڑکی کو ذبح کیا اور ایک گڑھے میں پھینک دیا جو اس نے اس دروازہ کے پیچھے بنایا تھا جو آدمی اس دروازہ سے داخل ہوتا ہے اس کی دائیں جانب یہ گڑھا ہے۔ تم چلو اور دروازے سے داخل ہو جاؤ وہ گڑھا اس آدمی کی دائیں جانب ہوگا جو آدمی اس میں داخل ہوتا ہے، میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے تم وہاں سب کچھ پا لو گے۔ وہ درمیانے کو خواب میں آیا اور اسے اس طرح بتایا پھر سب سے چھوٹے کے پاس آیا اسے بھی اس کی مثل بتایا۔ جب وہ سارے اٹھے تو ان میں سے ہر ایک نے جو خواب دیکھا تھا اس پر متعجب ہوا وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا: میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے اور ہر ایک نے جو خواب دیکھا تھا اس کا ذکر کیا۔ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا: یہ خواب پریشان ہے یہ کوئی چیز نہیں چلو اور اس کو چھوڑ دو۔ ان میں سے سب سے چھوٹے نے کہا: میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اس جگہ کو نہ دیکھ لوں۔ وہ سب گئے یہاں تک کہ اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں ان کی بہن رہتی تھی انہوں نے دروازہ کھولا، انہوں نے اس جگہ کو کھودا جو خواب میں ان کے لیے بیان کی گئی تھی انہوں نے اپنی بہن اور اس کے بیٹے کو ذبح شدہ پایا وہ دونوں اس گڑھے میں تھے جس طرح ان کے لیے بیان کیا گیا تھا انہوں نے اس عبادت گزار سے پوچھا تو اس نے ابلیس کے قول کی تصدیق کر دی کہ اس نے ان دونوں کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا۔ انہوں نے اپنے حاکم سے اس عبادت گزار کے خلاف مدد طلب کی اسے اس کے گرجے سے اتارا گیا اور وہ اسے لے گئے تاکہ اسے سولی پر لٹکایا جائے۔ جب انہوں نے اسے سولی پر کھڑا کیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور اسے کہا: تو جانتا ہے میں وہی تیرا ساتھی ہوں میں نے تجھے اس عورت کے بارے میں فتنہ میں ڈالا یہاں تک کہ تو نے

اسے حاملہ کر دیا، تو نے اس کو ذبح کیا اور اس کے بیٹے کو ذبح کیا اگر تو آج میری اطاعت کرے اور جس اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے اس کا انکار کر دے تو تو جس مصیبت میں ہے میں تجھے اس سے نجات عطا کر دوں گا۔ اس عبادت گزار نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا۔ جب اس نے کفر کر لیا تو شیطان اس کے اور اس کے ساتھیوں کے درمیان سے ہٹ گیا اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکا دیا، کہا: اسی بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے منافقین کے یہودیوں کے ساتھ رویہ کی مثال بیان کی ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ بنونضیر کو مدینہ طیبہ سے جلاوطن کرے گا منافقین نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے نہ نکلو اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے اور اگر وہ تمہیں گھروں سے نکالیں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی تو منافقوں نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ منافقوں نے ان سے یوں براءت کا اظہار کر دیا جس طرح شیطان نے برصیصا عابد سے براءت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد راہب تقیہ اور خفیہ انداز کو اپناتے فاسقوں اور فاجروں نے راہبوں پر تہمتیں لگائیں یہاں تک کہ جریج راہب کا واقعہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے بری کیا۔ اس کے بعد راہب پھیل گئے اور لوگوں کے لیے ظاہر ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے(1): منافقوں کو بنونضیر کے ساتھ دھوکہ کی مثال اس طرح ہے جس طرح ابلیس کی مثال ہے جب اس نے قریش کے کفار کو کہا۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ (الانفال: 48) مجاہد نے کہا: یہاں انسان سے مراد تمام لوگ ہیں جن کو شیطان دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ کا معنی ہے یعنی اسے گمراہ کیا یہاں تک کہ اس انسان نے کہہ دیا کہ میں کافر ہوں شیطان کا قول اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ حقیقی معنی پر نہیں یہ صرف انسان سے براءت کے اظہار کے سلیقہ پر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ کی تاکید کے طریقہ پر ہے(2)۔ اِنِّيْ کی یاء کو نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے فتحہ دیا ہے اور باقی نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا شیطان اور اس انسان کی عاقبت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے خَالِدَيْنِ حال ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔ جس نے آیت کو راہب اور شیطان میں خاص کیا ہے اس میں تو تثنیہ ظاہر ہے جس نے اسے جنس کے لیے بنایا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا دونوں فریقوں اور دونوں صنفوں کا انجام عَاقِبَتَهُمَاۤ کی نصب کان کی خبر ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ کان کا اسم اَنَّهُمَا فِي النَّارِ ہے۔ حضرت حسن بصری نے فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَاۤ رفع کے ساتھ پڑھا ہے تو یہ پہلے کی ضد ہے۔ اعمش نے خالدان فیہما رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس کا رفع اس صورت میں ہوگا کہ یہ انکی خبر ہے اور ظرف لغو ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 27　2۔ ایضاً

''اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اس کے اوامر، نواہی، فرائض کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ غد سے مراد یوم قیامت ہے۔ عرب زمانہ مستقبل کو غد سے کنایۃً تعبیر کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غد کا ذکر اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ قیامت قریب ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

وإن غداً للناظرین قریب دیکھنے والوں کے لیے قیامت قریب ہے۔

حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: قیامت کو قریب کر دیا یہاں تک کہ اسے غد کی طرح بنا دیا (1)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اور موت ہر صورت میں آنے والی ہے۔ مَّا قَدَّمَتْ سے مراد خیر اور شر ہے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اس قول کو تکرار کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: اعجل، اعجل، ارم، ارم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا تقوی سابقہ گناہوں سے توبہ ہے اور دوسرے تقوی سے مراد زمانہ آئندہ میں معاصی سے بچنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠ سعید بن جبیر نے کہا: جو عمل تمہاری جانب سے ہو گا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے (2)۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۠

''اور ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یہی نافرمان لوگ ہیں''۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کر دیا (3) فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا کہ وہ اپنے لیے بھلائی کا عمل کرے؛ یہ ابن حبان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نفوس کا حق بھلا دیا؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس کا شکر اور تعظیم ترک کر کے اس کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دے کر بھلا دیا کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے ذکر کریں؛ ابن عیسیٰ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: انہوں نے گناہوں کے وقت اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور توبہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا۔ فَاَنْسٰىهُمْ میں اللہ تعالیٰ نے فعل کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ یہ اس امر اور نہی کی وجہ سے تھا جس کو انہوں نے ترک کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا امر اور نہی کو ترک کرنے والا پایا۔ جس طرح تیرا یہ قول ہے: احمدت الرجل جب تو نے اسے تعریف کیا گیا پایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے شدائد میں انہیں بھلا دیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۠ ابن جبیر نے کہا: مراد نافرمان ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ جھوٹے ہیں۔ فسق کا اصل معنی نکلنا ہے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل گئے۔

لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۠

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 510	2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 511	3۔ ایضاً

”یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت، اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں“۔

لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یعنی فضیلت اور رتبہ میں ایک جیسے نہیں۔ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ یعنی جنتی مقرب و مکرم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ آگ سے نجات پانے والے ہیں۔ سورۂ مائدہ آیت 100 میں قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ۔ سورۂ سجدہ میں اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ۝ اور سورہ ص آیت 28 میں اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ٘ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ۝ کے ضمن میں کلام گزر چکی ہے۔ اس لیے اس کے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۝

”اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں“۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا قرآن کے مواعظ میں غور و فکر کرنے پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے اور اس امر کو واضح کیا کہ ترک تدبر میں کوئی عذر نہیں کیونکہ اس قرآن کے ساتھ اگر پہاڑوں کو خطاب کیا جاتا جبکہ ان میں عقل بھی ہوتی تو پہاڑ بھی اس کے مواعظ کو سنتے اور آپ انہیں دیکھتے کہ وہ انتہائی مضبوط ہونے کے باوجود عاجزی کا اظہار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے پھٹ جاتے۔ خاشع کا معنی ذلیل ہے اور متصدع کا معنی پھٹنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خَاشِعًا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جن امور میں اپنی طاعت کا مکلف بنایا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع کرنے والے ہیں۔ مُّتَصَدِّعًا وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے پھٹنے والے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے لیے مثال کے طریقہ پر ہے۔

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتا تو وہ پہاڑ اس کے وعدہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا اور اس کی وعید کے سامنے پھٹ جاتا (1)۔ اے لوگو! جو اس کے اعجاز کے سامنے مغلوب ہو تم اس کے وعدے میں رغبت نہیں رکھتے اور اس کی وعید سے نہیں ڈرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے (2)، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ثابت نہ رہتا اور قرآن کے نازل ہونے سے پھٹ جاتا جبکہ ہم نے اسے آپ پر نازل کیا ہے اور ہم نے آپ کو اس کے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے کہ آپ اس چیز کے لیے ثابت رہے جس کے لیے پہاڑ ثابت نہیں رہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب امت کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کے ذریعے پہاڑوں کو ڈراتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹ جاتے انسان قوت میں کم اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 512　2۔ ایضاً

ثابت قدمی میں بڑھ کر ہے اگر وہ طاقت رکھے تو وہ اس کے حق کو بجالاتا ہے اور اگر نافرمانی کرے تو اس کے اوپر قادر ہے کیونکہ اس کو ثواب کا وعدہ اور عقاب کی وعید دی گئی ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝۲۲

''اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کا وہی بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ راز اور علانیہ امور کو جانتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ ماکان (جو کچھ ہو چکا) اور مایکون جو کچھ ہونے والا ہے اس کو جانتا ہے۔ سہل نے کہا: وہ آخرت اور دنیا کو جاننے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غیب سے مراد ہے جس کو لوگ نہ جانتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اسے دیکھا ہوتا ہے اور شہادت سے مراد ہے جس کو لوگ جانتے ہیں اور جسے لوگوں نے دیکھا ہوتا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۲۳

''اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامتی رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے، پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں''۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ ہر نقص سے منزہ اور ہر عیب سے پاک۔ قدس اہل حجاز کی لغت میں سطل (ایک برتن) کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے قادوس ہے یہ لفظ اس برتن کے لیے بولا جاتا ہے جس کے ساتھ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اور اونٹنی سے مدد لی جاتی ہے۔ سیبویہ کہا کرتے تھے: قدوس اور سبوح دونوں میں پہلا لفظ مفتوح ہے۔ اور ابو حاتم نے یعقوب سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کسائی کے نزدیک ایک فصیح بدو کو سنا جس کو ابو دینار کہتے وہ پڑھ رہا تھا۔ القدوس یعنی قاف پر فتحہ پڑھ رہا تھا۔ ثعلب نے کہا: ہر اسم جو فعول کے وزن پر ہو اس کا پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے جس طرح سفود، کلوب، تنور، سمور، سبوط مگر السبوح اور القدوس کیونکہ ان دونوں میں اکثر ضمہ آتا ہے۔ بعض اوقات ان دونوں پر فتحہ آتا ہے؛ اسی طرح ذروح بعض اوقات اس کو فتحہ دیا جاتا ہے۔

السَّلٰمُ وہ نقائص سے سلامت ہے۔ ابن عربی نے کہا: علماء کا اتفاق ہے کہ لفظ السلام جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولا جائے تو یہ نسبت کے معنی میں ہوگا تقدیر ہوگی ذو السلامۃ پھر اس اسم منسوب کے ترجمہ میں اختلاف ہے۔ وہ ہر عیب سے سلامت اور ہر نقص سے بری ہے۔ ذوالسلام جنت میں اپنے بندوں کو سلام کرنے والا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰس) مخلوق اس کے ظلم سے محفوظ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ خطابی کا قول ہے اسے اور اس سے قبل جو اسم ہے اس پر صفات افعال کا اطلاق ہوگا۔ یہ تعبیر کی جائے وہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 512

عیوب ونقائص سے بری ہے تو یہ صفت ذات میں سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ السلام کا معنی ہے وہ اپنے بندوں کو سلام کرنے والا ہے۔ الْمُؤْمِنُ وہ اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے والا ہے کہ ان کے ہاتھوں سے معجزات کا ظہور فرماتا ہے۔ مومنوں سے ثواب کا جو وعدہ کیا اس کی تصدیق کرنے والا ہے اور کافرین کو جو عقاب کی دھمکی دی اس کو سچ کر دکھانے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن اسے کہتے ہیں جو اپنے اولیاء کو عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور اپنے بندوں کو ظلم سے محفوظ رکھتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: آمنہ یہ امان سے مشتق ہے جو خوف کی ضد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (القریش) اس سے اسم فاعل مومن ہے۔

مجاہد نے کہا: مومن اسے کہتے ہیں جس نے اپنی وحدانیت کا اظہار اپنے اس ارشاد سے کیا: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آل عمران: 18) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قیامت کا روز ہوگا اللہ تعالیٰ اہل توحید کو آگ سے نکالے گا، سب سے پہلے جہنم سے جو نکلے گا وہ وہ ہوگا جس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے موافق ہوگا جب جہنم میں کوئی ایسا نہیں رہے گا جس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ باقی سے فرمائے گا: تم مسلمان ہو اور میں السلام ہوں تم مومنین ہو اور میں مومن ہوں تو اللہ تعالیٰ ان دوناموں کی برکت سے انہیں جہنم سے باہر نکالے گا۔

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ سورۂ مائدہ میں الْمُهَيْمِنُ، اور مواقع پر الْعَزِيْزُ کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ الْجَبَّارُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد عظیم ہے (1)۔ جبروت اللہ سے مراد اس کی عظمت ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ صفت ذات ہے۔ اس معنی میں ان کا قول ہے: نخلة جبارة کھجور کا بڑا درخت۔ یہ اسم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور تقدیس پر دلالت کرتا ہے کہ نقائص اور صفات حادث اس کو لاحق ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبر سے ماخوذ ہے جس کا معنی اصلاح ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جبرت العظم فجبر میں نے ہڈی کو درست کیا تو وہ ہڈی درست ہوگئی۔ یہ جبر سے فعال کے وزن پر ہے۔ جب وہ ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کر دے اور فقیر کو غنی کر دے۔ فراء نے کہا: یہ اجبرہ علی الامر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس پر غلبہ پالیا۔ کہا: لغت میں باب افعال سے فعال کا وزن نہیں آتا مگر جَبَّار یہ أجبر سے اور دَرَّاك یہ أدرك سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار اسے کہتے ہیں جس کی سطوت کی طاقت نہ رکھی جائے۔

الْمُتَكَبِّرُ وہ اپنی ربوبیت کی وجہ سے متکبر ہے، اس کی مثل کوئی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر برائی سے بالا ہے اور ہر نامناسب چیز جیسے حادث اور مذمت کی صفات سے عظیم ہے (2)۔ کبر اور کبریاء کا اصل معنی رکنا اور اطاعت نہ کرنا ہے۔

کبریاء اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفات مدح میں شمار ہوتی ہے اور مخلوق کی صفات میں صفات مذمت میں سے ہے۔ صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا فرمان حدیث قدسی کی صورت میں بیان کیا ہے: الكبرياءُ رِدَائِي و العظمةُ إزاري فمن نازَعَنِي في واحد منهما قصمته ثم قذفته في النار (3) کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے ان دونوں میں جس نے بھی مجھ سے منازعہ کیا میں اسے توڑ کر رکھ دوں گا پھر اسے آگ میں

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 356 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 375 3۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 414

پھینک دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: متکبر کا معنی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی کبیر ہے کیونکہ وہ اس سے عظیم ہے کہ وہ کبر کا تکلف کرے۔ بعض اوقات تظلم، ظلم کے معنی میں، تشتم، شتم کے معنی میں اور استقر، قر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح متکبر، کبیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس طرح نہیں جس طرح مخلوق کے لیے اس صیغہ کے ساتھ صفت بیان کی جاتی ہے کیونکہ جب کسی مخلوق کی اس صیغہ کے ساتھ صفت بیان کی جائے تو وہ اس میں نہیں پائی جاتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان فرمائی فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اپنی عظمت اور جلالت کی پاکی بیان کی۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

''وہی سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا، (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے، سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے''۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ یہاں خالق سے مراد مقدر ہے۔ الْبَارِئُ سے مراد پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے۔ الْمُصَوِّرُ صورتیں بنانے والا اور مختلف ہیئتوں میں ترکیب دینے والا۔ تصور، خلق اور برایۃ پر مرتب اور ان دونوں کے تابع ہے۔ تصویر کا معنی خط لگانا اور شکل بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ماں کے رحم میں تین انداز میں پیدا کیا اسے علقہ بنایا، پھر مضغہ بنایا پھر اس کی صورت بنائی یہی تشکیل ہے جس کے ذریعے صورت اور ہیئت ہوتی ہے، جس کے ساتھ اس کی پہچان ہوتی ہے اور غیر سے اپنی علامت کے ساتھ ممتاز ہوتا ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين اللہ تعالیٰ کی ذات جو احسن الخالقین ہے وہ بڑی برکتوں والی ہے؛ نابغہ نے بھی انہیں اسماء کو اپنے شعر میں ذکر کیا ہے:

الخالق البارى المصور فى الأرحام ماء حتى يصير دماً (1)

بعض لوگوں نے خلق کو تصویر کے معنی میں کیا ہے جبکہ بات اس طرح نہیں تصویر آخری مرحلہ میں ہوتی ہے۔ تقدیر سب سے پہلے اور برایۃ یہ درمیان میں ہوتی ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ (المائدہ: 110)

زہیر نے کہا:

ولأنت تفرى ما خلقت و بعض القوم يخلق ثم لايفرى

شاعر کہتا ہے: تو اندازہ لگاتا ہے جو لگاتا ہے پھر اپنے اندازہ کے مطابق اسے کر گزرتا ہے۔ تیرے سوا آدمی اندازہ لگاتا ہے جو اس کے لیے مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں اس کی مراد پوری ہوتی ہے یا تو اس کے اندازہ کے تصور میں کوتاہی ہوتی ہے یا وہ اپنی مراد کو مکمل کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ ہم نے اس کے متعلق تمام بحث الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کر دی ہے۔ الحمد للہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 515

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے اَلْبَارِئُ الْمُصَوَّرُ پڑھا یعنی وہ ذات جو مختلف ہیئتوں کے ساتھ اس کو ممتاز کرتی ہے جس کی تصویر بناتی ہے (1)؛ زمخشری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اس کے بارے میں گفتگو پہلے (جلد اول) میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے خلیل ابوالقاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ''اے ابوہریرہ! سورۂ حشر کے آخری حصہ کو لازم پکڑو اس کو کثرت سے پڑھا کرو''۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال دہرایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو مجھ پر دہرایا۔ میں نے پھر آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے پھر مجھ پر اسی قول کو دہرایا۔

حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اس آیت کے مکان کی وجہ سے اللہ ہی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے سورۂ حشر کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے'' (2)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے رات یا دن کے وقت سورۂ حشر کے آخر کو پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس رات یا اس دن اس کی روح کو قبض کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا'' (3)۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 510 2۔ ایضاً 3۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 583، حدیث 2643